جگر جالندھری
جگر جالندھری

لختِ جگر

جگر جالندھری

(جملہ حقوق بحقِ مصنّف محفوظ ہیں)

سرورق : قیصر سرمست
سنِ اشاعت : ۱۹۷۹ء
مطبع : جمال پریس دہلی
تعداد : ایک ہزار قیمت :
خوشنویس : محمد ایوب شاہجہانپوری
ناشر : مرواہا برادرز، گوربخش کالونی۔ پٹیالہ (پنجاب)

کتاب ملنے کے پتے

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ پرنس بلڈنگ بمبئی ۴۰۰۰۰۳
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ اردو بازار دہلی ۱۱۰۰۰۶
کتب خانہ انجمن ترقیِ اردو، اردو بازار دہلی ۱۱۰۰۰۶
مکتبہ دین و ادب امین الدولہ پارک لکھنؤ
بزمِ فروغِ اردو ۳۶/۷ سنٹرل ٹاؤن جالندھر شہر
مرواہا برادرز مرواہا کاٹیج، گوربخش کالونی پٹیالہ
جناب ڈی، آر، وِج (ڈبلیو) پرنسپل گورنمنٹ ٹریننگ کالج جالندھر شہر
جناب راجکمار پانڈو۔ تحصیلدار سفیدوں (ہریانہ)

نوٹ : یہ مجموعۂ کلام حکومتِ پنجاب (محکمہ السنہ) کے مالی اشتراک سے شائع ہوا ہے

اِنتساب

پروردگارِ دو عالم کے نام
جس نے ذوقِ شاعری عطا کیا

○

نام : دھرمپال مرواہا
تخلص : جگرؔ جالندھری
تاریخ پیدائش : ۱۸ جنوری ۱۹۳۵ء
مقام پیدائش : سارنگدیو ضلع امرتسر (پنجاب)
تعلیم : بی۔ اے۔ ایل ایل بی۔ ادیب فاضل
سکونت : مرواہا کاٹیج۔ گورو بخش کالونی۔ پٹیالہ

○

اظہارِ تشکّر

لٹریری سوسائٹی پنجاب راج بجلی بورڈ پٹیالہ۔ بجلی بورڈ تھیٹر پٹیالہ۔ روٹری کلب جالندھر۔ روٹری کلب مڈٹاؤن پٹیالہ۔ جالندھر جے سیز۔ جناب ساحر سیالکوٹی۔ جناب ساحر ہوشیارپوری۔ جناب بالکرشن سنگلا جناب آر، سی، ماتھر۔ جناب ایس۔ کے۔ گردھر۔ جناب اندرجیت گپتا۔ جناب ڈی۔ آر۔ وج۔ جناب راجکمار پانڈو۔ جناب آر۔ ایل۔ بیری۔ جناب نسیم نورپوری۔ جناب پران سبھروال، جناب او۔ پی آنند اور جناب سروپ سنگھ الگ کا شکرگزار ہوں جن کی تحریک و ترغیب اور تعاون سے یہ مجموعۂ کلام منظر عام پر لایا جا رہا ہے۔

جگرؔ جالندھری

مصنف
تصویروں کے آئینے میں

▲ اپنے عظیم المرتبت اساتذہ قبلہ جوش ملسیانی اور ساحر سیالکوٹی کے ساتھ
دائیں سے بائیں: مصنف ۔ قبلہ جوش ملسیانی ۔ جناب ساحر سیالکوٹی
اور مصنف کے برادر عزیز نسیم نورپوری

▲ لاکالج (پنجابی یونیورسٹی) پٹیالہ کے زیر اہتمام منعقدہ آل انڈیا مشاعرہ میں کلام پڑھتے ہوئے ۔ ۱۹۶۸ء
تصویر میں قبلہ جوش ملسیانی ۔ مولانا ابر احسنی گنوری ۔ جناب ساحر سیالکوٹی ۔ رشی پٹیالوی ۔
صابر ابوہری ۔ وفا پٹیالوی ۔ طالب شملوی اور مہیش پٹیالوی نمایاں ہیں ۔

▲ بجلی بورڈ تھیٹر کی طرف سے منعقدہ آل انڈیا مشاعرہ ، ۱۹۷۵ء
دائیں سے بائیں : رام کرشن مضطر ۔ ساغر شفائی ۔ مصنف ۔ آر ، سی ، ماتھر ۔ نسیم نورپوری ۔
سوہن سنگھ (چیئرمین پنجاب راج بجلی بورڈ) ۔ پران سبھروال ۔ ساحر ہوشیارپوری اور رشی پٹیالوی

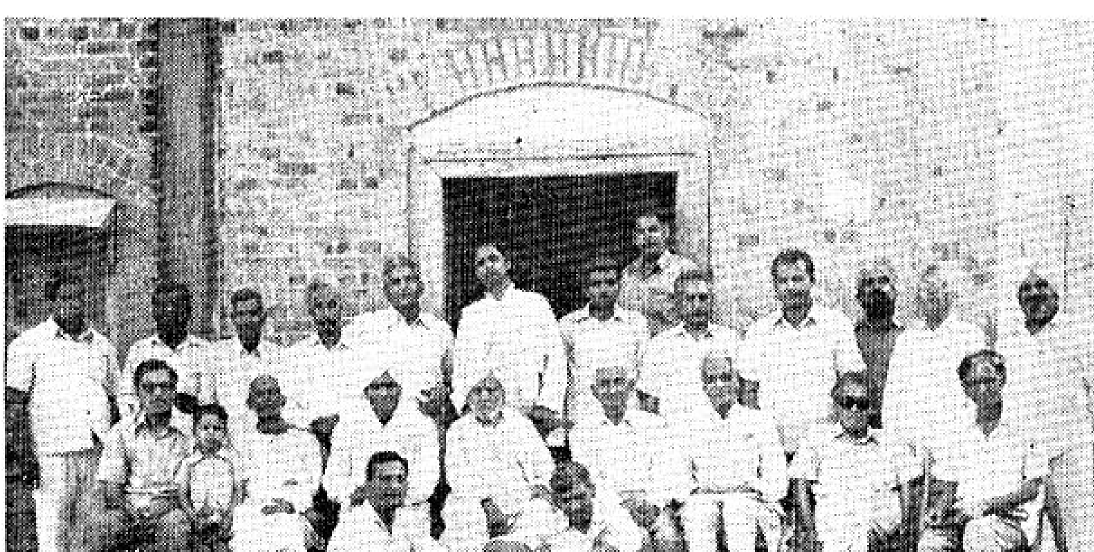

▲ نکودر کا سالانہ مشاعرہ ، ۱۹۷۵ء
تصویر میں قبلہ جوش ملسیانی ۔ ساحر سیالکوٹی ۔ ساحر ہوشیارپوری ۔ ہمابر نالوی ۔ بشن داس زار ۔
ستیانند شاکر ۔ دیس راج شرما ۔ خمار جالندھری اور مصنف اپنے سب سے چھوٹے فرزند
عزیز راجیش کے ساتھ نمایاں ہیں ۔

▲ لاکالج (پنجابی یونیورسٹی) پٹیالہ کی طرف سے منعقدہ آل انڈیا مشاعرہ میں غزل سرا۔ سنہ ۱۹۶۹ء
پرنسپل اجیت سنگھ اور فیض سرحدی تصویر میں نمایاں ہیں

▲ ساحر سیالکوٹی ۔ ہما ہرنالوی اور سادھو سنگھ ہمدرد کے ساتھ
قبلہ جوش ملسیانی کی ارتھی پر پھول مالا چڑھاتے ہوئے۔

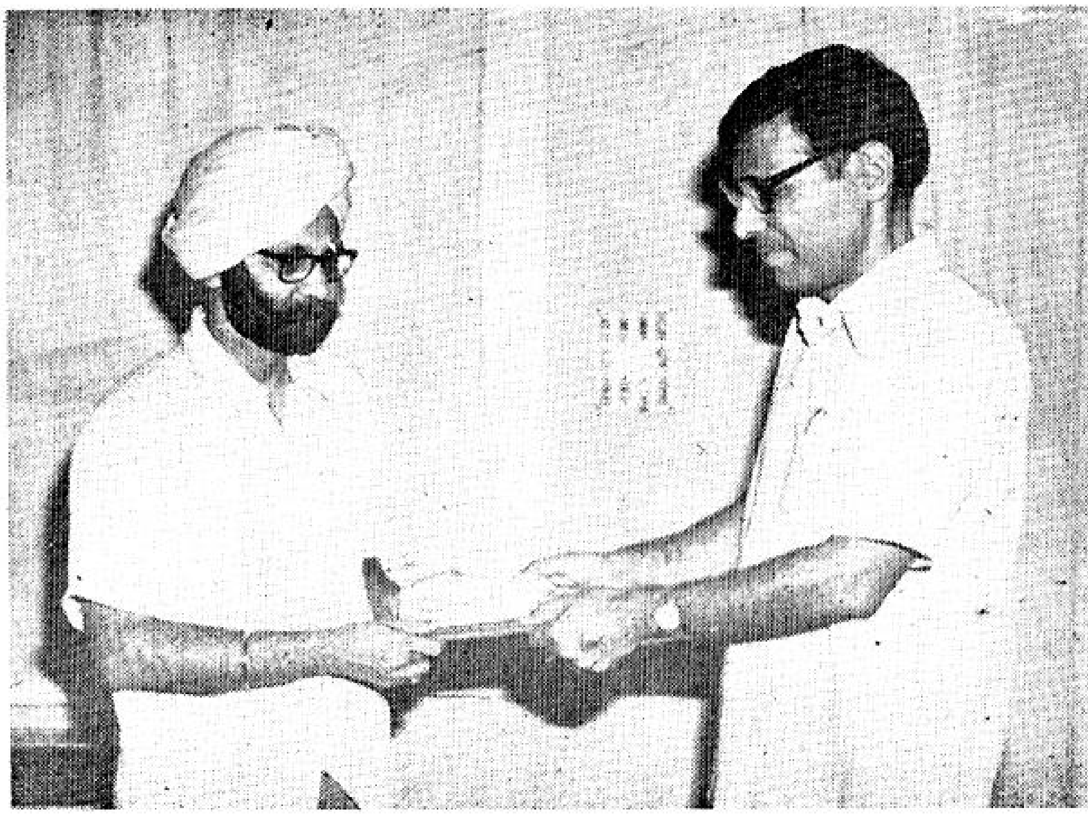

▲ جناب آر۔ ایس۔ منڈیر آئی۔ اے اینڈ اے ایس۔ اکاؤنٹس اینڈ فنانس
ممبر پنجاب راج بجلی بورڈ کو اپنا پہلا مجموعہ کلام سوزِ جگر پیش کرتے ہوئے

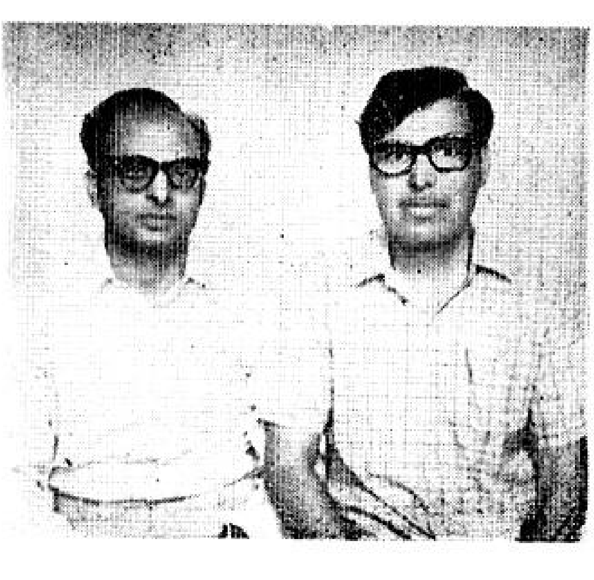

عزیز و شفیق دوست سرو شری بالکرشن سینگلا اور آر۔ سی۔ ماتھر کے ساتھ۔

روٹری کلب جالندھر کے زیر اہتمام ۲ نومبر ۱۹۷۹ء کو منعقدہ اعزازی تقریب پر مشہور فلم ایکٹر پریم ناتھ کلب کی طرف سے مصنف کو سمان دیتے ہوئے۔ درمیان میں کلب کے سابق پریذیڈنٹ اور ادب دوست شری ایس۔ وی۔ مہنس نمایاں ہیں۔

جالندھر جے سیز اور لائنز کلب جالندھر کی طرف سے منعقدہ اعزازی مشاعرہ کے موقع پر جالندھر سیز کے صدر شری راکیش دادا اور دیگر عہدیداران سرو شری سُدھیر توری۔ اندرجیت گپتا۔ اشوک دتہ وغیرہ کے ساتھ۔

آرونا و بھون پٹیالہ میں منعقدہ ایک مخصوص ادبی محفل میں غزل سرا۔ ۱۹۷۹ء
دائیں سے بائیں: محترمہ جی جہل آئی۔ اے۔ ایس۔ سردار امریک سنگھ پونی۔ آئی۔ اے۔ ایس
(کمشنر پٹیالہ ڈویژن) سردار سریندر پال سنگھ مان ایڈمنسٹریٹو ممبر اور صدر لٹریری سوسائٹی
پنجاب راج بجلی بورڈ پٹیالہ۔ سردار لال سنگھ اور مصنّف۔

نکودر کے ۱۹۷۰ء کے مشاعرہ میں غزل سرا۔
تصویر میں قبلہ جوش ملسیانی۔ سورج کنول سرور اور نوہریا رام درد نمایاں ہیں۔

دعائیہ

شری دھرم پال جگر جالندھری بی۔اے۔ ایل۔ ایل۔ بی جو آجکل پنجاب سٹیٹ بجلی بورڈ پٹیالہ کے دفتر (سیکریٹریٹ) میں ملازمت کی وجہ سے پٹیالہ ہی میں مقیم ہیں۔ میرے پیارے عزیز ہیں جنکو زندگی کی تگ و دو کی وجہ سے میں عملی طور پر فارغ الاصلاح قرار دے چکا ہوں۔ شعر و سخن سے انہیں فطرتی رغبت ہے۔ اور وہ شعر کے حسن و قبح کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ چونکہ فنِ شعر اور فنِ عروض سے وہ کافی واقفیت رکھتے ہیں۔ اسلئے شعر کہتے ہوئے ان کا شعر کے تمام پہلوؤں پر نظر ہوتی ہے۔ شعر کی زبان صاف۔ سادہ اور سلیس ہوتی ہے۔ کیا مجال ہے کہ خیالات کے اظہار میں کوئی الجھن پیدا ہونے پائے۔ ابوالفصاحت پدم شری پنڈت جوش ملسیانی) کا یہ شعر ان کے کلام پر صادق آتا ہے۔

ہم نے کس بات پہ الجھائے ہیں طولانِ سخن۔
ہم نے الجھا ہوا مضمون کبھی باندھا ہی نہیں۔

اگر میں ان کے کچھ اشعار جو ان کی قادر الکلامی اور رنگینی بیانی کی منہ بولتی تصویر ہیں۔ درج کر کے داد دوں تو شاید اسے خود ستائی بھی سمجھا جائے۔ اسلئے یہ کام شائقینِ شعر و سخن ہی پر چھوڑتا ہوں۔ کہ وہ خود ان کا کلام مدنظر رکھتے ہوئے رائے قائم کریں۔ کہ انکا اردو شاعری میں کیا مقام ہے۔

دسمبر [illegible]
ساحر سیالکوٹی

غزل - جگر جالندھری

۱۔ آنکھ نہیں وہ جو اشکبار نہیں ہے
دل ہی نہیں وہ جو بے قرار نہیں ہے ۔

۲۔ کون سی جان آپ پر نہیں ہے تصدق
کون سا دل آپ پر نثار نہیں ہے ۔

۳۔ تیرا کرم ہے اگر حساب سے باہر
میرے گناہوں کا بھی شمار نہیں ہے ۔

۴۔ وعدۂ فردا سے تیرے کیا ہو مسرت
مجھ کو تو اک پل کا اعتبار نہیں ہے ۔

۵۔ قبر میں تڑپا رہی ہے فکرِ قیامت
مرنے پہ بھی انساں کو قرار نہیں ہے ۔

۶۔ جس دن میں گل ریز ہو خیال تمہارا
میری نگاہوں میں وہ بہار نہیں ہے ۔

۷۔ ہے یہ مری بے قراریوں کا تاثر
اُن کو سنا ہے اُدھر قرار نہیں ہے ۔

۸۔ معتبر اس وقت تک نہیں تری وحشت
دامنِ ہستی جو تار تار نہیں ہے ۔

۹۔ دل میں مرے کیوں تڑپ ہے شام و سحر یوں
مجھ کو جگر جیسا کسی سے پیار نہیں ہے ۔

جگر جالندھری

ہر شخص اس بحر میں نہیں چل سکتا ۔ صحیح قسم کی موزونیِ طبع ہی اس بحر کو سر کر سکتی ہے ۔ آفرین صد آفرین

ہے مرے دل میں درد شام و سحر یوں
(تقطیع درست نہ تھی)

اس پیچیدہ بحر میں جس کا نام منسرح ہے اور ارکان تقطیع مفتعلن فاعلات مفتعلن فع ہیں یہ کام اور بالکل صحیح تقطیع کے اشعار لکھنا بہت قابل داد ہے
جوش ملسیانی ۔ ۲۰/۲/۶۵

فہرست

فرمودات	۱۵
غزلیات	۵۷
نظمیات	۱۱۱
قطعات	۱۴۵
متفرّقات	۱۵۹

ن کیا مَیں نے اُسے اپنے لہُو سے

ہیں جیسے شعر مِرا "لختِ جگر" ہے

جگر جالندھری

اظہارِ رائے

از ابوالفصاحت پدم شری قبلہ جوش ملسیانی (مرحوم و مغفور)

جگر جالندھری اگرچہ میرے قابل شاگرد ساحر سیالکوٹی کے شاگرد
ژ وہ مجھ سے بھی مستفید ہوتے رہے ہیں۔ اور ادبی مشورے
صل کرتے رہے ہیں۔ میری رائے میں وہ زبان اور فن دونوں
اخیال رکھ کر شعر کہتے ہیں۔ ان کی طبیعت میں بھی صحیح قسم کی
ںیت ہے۔ ایک دفعہ میں نے اپنے میں بائیس عزیزوں کو پیچیدہ سا
طرح موزونیِ طبع کا امتحان کے لئے اس طرح میں غزل کہنے کی
ں کی تھی۔ نصف تعداد لڑھک گئی تھی۔ جو عزیز کامیاب
اُن میں جگر صاحب بھی شامل تھے۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں سوچ سمجھ کر
یں۔ اور کافی پختہ کہنے والے ہیں۔ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں
پٹیالہ کے مقامی شعراء میں بیدار صاحب کے سوا امتیازی حیثیت
ہیں۔ حشو و زائد اور فن کے دوسرے سقموں سے ہمیشہ بچ کر
یا۔

جوش ملسیانی

۲؍ دسمبر ۷۴ء

عندلیبِ گلشنِ نازک خیالی و ادیبِ باہمتا جگرؔ جالندھری

از لسان الاعجاز سردار اودے سنگھ شائقؔ

عرصہ قریباً ۱۵ سال ہوا کہ میرا تعارف جناب جگرؔ جالندھری سے پروفیسر کرپال سنگھ بیدارؔ کے مکان پر ہوا تھا۔ اور اس وقت مشفقی جناب ساحرؔ سیالکوٹی بھی موجود تھے۔ اُس روز دو ڈھائی گھنٹے اُن کا کلام ان کی زبان سے سننے کا موقعہ میسر آیا۔ ایسا عالم طاری ہوا کہ ان سے ان کے اشعار ہم تینوں نے بار بار پڑھوائے۔ انھوں نے بہت اچھے انداز میں شعروں کو ادا کیا۔ جس کا میرے دل پر بہت گہرا اثر ہوا۔ شعر نہایت بلند پایہ کے تھے۔ جی یہ چاہ رہا تھا کہ محفل مسلسل چلتی رہے اور جگرؔ صاحب اپنا کلام سناتے رہیں۔ اس کے بعد ملک کے موقر رسائل و اخبارات میں ان کا کلام نظر سے گزرتا رہا ہے۔ اور کئی آل انڈیا مشاعروں میں بھی انھیں سن کر خوش وقت ہوا ہوں۔ جگرؔ صاحب کا کلام بے لوث محبت سے مالامال

ہے۔ خیالات کو خوش اسلوبی سے بیان کرنا انھیں کا حصّہ ہے۔
ان کا ہر شعر سحر و اعجاز ہے۔ ذوقِ سلیم بے اختیار وجد کرتا ہے۔
آج کل کے نوجوان شعراء میں اُن کا رتبہ اُستادی کا ہے۔
سوز و گداز قدرت نے انھیں عطا کرنے میں بُخل نہیں کیا۔
با الفاظِ مختصر ان کی شاعری ساحری ہے۔ خدا کرے کہ وہ تا دیر
خدمتِ ادب کے لئے زندہ رہیں۔

"اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ"

اُودے سنگھ شائق

جگرؔ جالندھری کی شاعری

از جناب عرشؔ ملسیانی

آیئے آپ کو چند اشعار سنائیں ۔ دیکھئے ہر شعر سحر ہے کہ نہیں :-

رہ کے گردش میں بھی اِنساں خدمتِ انساں کرے
اِس جہاں کے میکدے میں بن کے پیمانہ رہے

حجابِ یار اُٹھے گا میں جب دُنیا سے اُٹھوں گا
مجھے معلوم ہے میں خود ہی اُس کے رُخ کا پردا ہوں

حریمِ زیست کے ہر گوشہ میں ہے تاریکی
چراغِ روئے منوّر سے روشنی کر دو

ہم سمجھتے تھے اسے وجہِ سکوں
اور تڑپا یا ترے دیدار نے

ایسی دولت ہے عشق جس کے لئے
بادشاہوں نے بھی گدائی کی

یہ شعر سب حضرت جگرؔ جالندھری کے ہیں۔
جگرؔ جالندھری کم سن ہونے کے باوجود خوش گو سخن طراز ہیں۔
ساحرؔ سیالکوٹی صاحب نے ان کی تربیت میں کمال کر دیا ہے۔
جگرؔ کے اشعار دیکھو بالکل کوئی زباں داں بول رہا ہے۔ خطۂ
پنجاب کے سخنوروں میں آپ کا نام ممتاز ہے۔ میں اُمید کرتا ہوں
کہ ان کا نیا مجموعۂ سخن داد و تحسین پائے گا۔

عرشؔ ملسیانی

جگر جالندھری کا مقامِ شاعری

از جناب ہماؔ ہرنالوی

میں جگرؔ صاحب کو طویل مدت سے جانتا ہوں۔ شروع شروع میں جب ان سے میری رسم و راہ ہوئی تو یہ دیکھ کر مجھے بے حد مسرت ہوئی کہ اُن کی طبیعت میں وہ تمام جوہر موجود ہیں جو ایک شاعر کو ہر پرواز بن کر ترقی کی انتہائی بلندیوں پر پہنچا دیتے ہیں۔

جگرؔ صاحب کی شاعرانہ صلاحیتوں کی داستان طولانی ہے۔ مگر میں اختصار سے کام لیتے ہوئے صرف یہی عرض کرنے پر اکتفا کروں گا کہ وہ اپنی بے شمار مصروفیتوں کے باوجود عرصۂ دراز سے مشقِ سخن اور ادب و فن کے عمیق مطالعہ کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ درحقیقت یہی ان کی حیرت انگیز ترقی کا راز ہے۔ ان کی یہی جگر کاوی (تخلص کی مناسبت سے بھی) آخر یہ رنگ لائی ہے کہ آج ان کا کلام ہر ادبی نشست اور ہر مشاعرے میں بڑے اشتیاق سے سنا جاتا ہے۔ اور اخبارات و رسائل میں بھی شکریہ کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے۔

میں اُن کے نتائجِ افکار پر جو عن قریب ہی "لختِ جگر" کے پسندیدہ نام سے کتابی شکل میں منظرِ عام پر آ رہے ہیں۔ اپنا تبصرہ سپردِ قلم کرتے ہوئے اس کشمکش میں مبتلا ہوں کہ جنابِ جگرؔ کی کون کون سی شاعرانہ صفات کا ذکر کروں۔ کیوں کہ مجھے ایسی کوئی بھی صفت نظر نہیں آتی جو ان کے کلام میں موجود نہ ہو۔ جگرؔ صاحب کو کیا غزل، کیا نظم، کیا رباعی، کیا قطعہ، غرضیکہ ہر صنفِ سخن میں پوری کامیابی سے طبع آزمائی کرنے کی قدرت حاصل ہے۔ اُن کا کلام اوّل سے آخر تک ان امتیازی محاسن کا آئینہ دار ہے جو خاندانِ داغؔ کے سوا کسی بھی دیگر خاندان میں اگر مفقود نہیں تو کم یاب ضرور ہیں۔ ان محاسن کے علاوہ قسّامِ ازل نے جنابِ جگرؔ کو ایک اور وصف سے بھی نوازا ہے۔ وہ یہ کہ انھیں عروض کی پیچیدہ سے پیچیدہ بحور میں بھی شعر کہتے ہوئے کوئی دقّت محسوس نہیں ہوتی۔ اُن کی اس موزونیِ طبع جسے خُدا کی دین ہی کہنا چاہیئے کی داد اُستادِ محترم قبلہ جوشؔ ملسیانی (مرحوم) نے بھی جگرؔ صاحب کو تحریری طور پر دی ہے۔ اتنے عظیم المرتبت اُستاد کی اس داد پر جگرؔ صاحب جتنا بھی ناز کریں کم ہے۔

کسی شاعر کا کلام حُسنِ زباں کے لحاظ سے اور کسی کا حُسنِ تخیّل کے اعتبار سے قابلِ تحسین ہوتا ہے۔ مگر ہر دور میں ایسے شعراء بہت کم ہوئے ہیں جن کے کلام میں یہ دونوں حُسن پائے جاتے ہوں۔ میں جنابِ جگرؔ کو آخر الذکر شعراء کے زمرے میں شمار کرتا ہوں۔

جنابِ جگرؔ کے مقامِ شاعری پر میں نے جو روشنی ڈالی ہے وہ تقاضا کرتی ہے کہ میں اس کے ثبوت میں ان کے چند اشعار بھی پیش کروں ورنہ میرا یہ تبصرہ تشنہ رہ جائے گا۔

جگرؔ صاحب کا ایک نہایت خوبصورت شعر سنئے۔ جس میں آئینے اور اس میں دکھائی دینے والے عکسِ محبوب کا ذکر بڑے دل پذیر انداز میں کیا گیا ہے۔ شعر یہ ہے کہ ؎

ڈال کر عکس وہ آئینے میں بھر دیتے ہیں رنگ
وَرَقِ سادہ کو تصویر بنا دیتے ہیں

آئینے میں عکسِ محبوب کے نظر آنے کا مضمون ایک بہت پامال مضمون ہے مگر جنابِ جگرؔ نے اس میں کچھ ایسی رنگینی و رعنائی پیدا کر دی ہے۔ جس کی جتنی بھی داد دی جائے کم ہے۔ آئینے کو اس موقع پر جب اس میں کسی کا عکس موجود نہ ہو۔ جگرؔ صاحب کی رسائی فکر کا ایک روشن ثبوت ہے اور پھر اس منظر کو جب محبوب آئینے کے سامنے آتا ہے ان الفاظ میں بیان کرنا کہ وہ آئینے میں اپنا عکس ڈال کر اس میں رنگ بھر دیتا ہے۔ جس سے آئینہ وَرَقِ سادہ سے ایک دل کش تصویر بن جاتا ہے۔ جدّتِ خیال کا ایک بہترین نمونہ ہے۔

اسی زمین میں جنابِ جگرؔ کا یہ شعر بھی قابلِ ذکر ہے کہ ؎

سَو بہاروں سے بھی پھول اتنے نہ کھِلنے پائیں
جِتنے اِک جنبشِ لب سے وہ کھِلا دیتے ہیں

اس شعر میں بھی ایک پامال مضمون کو جدّت عطا کرنے کی کامیاب

کوشش کی گئی ہے۔ یہ تو ہر شاعر کہتا ہے کہ محبوب جب مُسکراتا ہے تو پھول برسنے لگتے ہیں مگر جناب جگر نے لفظ تبسّم کا استعمال نہ کرتے ہوئے بھی محض محبوب کی ایک جنبشِ لب کو بے شمار پھولوں کی شگفتگی سے تعبیر کرکے سَو بہاروں کو خجل کر دیا ہے۔ اس شعر میں ایک خاص نکتہ یہ بھی موجود ہے کہ بہاریں تو صرف باغ کے پھولوں ہی کو کھلاتی ہیں۔ مگر محبوب کی ایک جنبشِ لب سیکڑوں غنچہ ہائے دل کو شگفتہ کر دیتی ہے اور اس بنا پر محبوب کی جنبشِ لب کو بہاروں پر فوقیت حاصل ہے۔ اس جُنبشِ لب میں یہ معنی بھی مستور ہیں کہ اگرچہ محبوب متبسّم نہیں ہوا مگر یہ کیا کم ہے کہ آمادۂ گفتار تو ہوا۔

جی تو چاہتا ہے کہ جناب جگر کے چند مزید اشعار پر بھی اپنی رائے کا اظہار کروں۔ مگر اس خیال سے کہ زیرِ طبع کتاب میں اتنی گنجائش نہ ہو۔ اُن کے چند نہایت پسندیدہ اشعار یہاں درج کرکے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں ؎

حضُور دیکھے ہیں ہم نے جناب دیکھے ہیں
زمیں میں دفن کئی آفتاب دیکھے ہیں

ترے بدن کی مہک ہے ترے بدن کی مہک
چمن میں لاکھ مہکتے گلاب دیکھے ہیں

آرزوؤں کی طرح دل میں چھپا بیٹھا ہے کیوں
میری نظروں کے مقابل آ نظارے کی طرح

پابندِ حُسن والے "ہاں" کے بھی جب نہیں ہیں
مایوس ہو نہ اے دل اُن کی "نہیں نہیں" سے

سب زندگی کو کہتے ہیں اک دردِ سر، مگر
مرنے کے واسطے کوئی تیّار بھی نہیں

حجابِ یار اُٹھے گا میں جب دُنیا سے اُٹھوں گا
مجھے معلوم ہے میں خود ہی اُس کے رُخ کا پردا ہوں

جوانی میں بشر کو ٹھوکریں کھانی ہی پڑتی ہیں
اندھیری رات میں چلنا بڑا دشوار ہوتا ہے

ہُماؔ ہرنالوی

گرمائیں کیوں نہ شعر کی محفل کو وہ ہُماؔ
سوزِ جگر کی آنچ کلامِ جگرؔ میں ہے

ہُماؔ ہرنالوی

جگر جالندھری کی شاعری کے متعلق میرے تاثرات

از جناب ساحر ہوشیارپوری

جہاں استاد مرزا داغ دہلوی کے دبستانِ شاعری کی خصوصیات کے فروغ و ارتقا میں استادِ محترم ابوالفصاحت قبلہ جوش ملسیانی کی ادبی خدمات کا ایک زمانہ معترف ہے۔ کاروانِ جوش کے ایک ممتاز رکن جناب ساحر سیالکوٹی خطۂ پنجاب میں داغ اسکول کی صالح روایات کی شمع فروزاں کئے ہوئے ہیں۔ اور جگر جالندھری کا شمار اُن کے ارشد تلامذہ میں ہوتا ہے۔ خاندانِ داغ کی شاعری کا صحت مند اور ترقی یافتہ رنگ جگر صاحب کے کلام کا جوہر ہے۔ اندازِ بیاں میں سادگی و سلاست، بندشِ الفاظ میں نفاست و لطافت اور لوازمِ شاعری کے استعمال میں فنی مہارت ان کے اکثر اشعار میں پائی جاتی ہے۔ مشاعروں میں اُن کا کلام سننے کا متعدد بار موقع ملا ہے۔ اور ذاتی صحبتوں میں کسی ادبی موضوع

پر اُن سے گفتگو ہوئی ہے تو اسرار و رموزِ سخن گوئی کے بارے میں اُن کی وسعتِ معلومات کا اندازہ دِلی مسرّت کا باعث ہوا ہے۔ شعروں کے انتخاب کا مسئلہ اکثر و بیشتر ذاتی نوعیت کا حامل ہوتا ہے۔ لیکن ایک کہنہ مشق اور خوش گو سخن ور کے مجموعے میں ایسے اشعار ضرور ملتے ہیں جن کا اثر مختلف طبائع پر یکساں ہوتا ہے۔ جگر صاحب کے دوسرے مجموعۂ کلام "لختِ جگر" میں اس قسم کے آفاقی جواہر پاروں کی کمی نہیں ہے

تِرے بدن کی مہک ہے تِرے بدن کی مہک
چمن میں لاکھ مہکتے گلاب دیکھے ہیں

آرزوؤں کی طرح دل میں چھپا بیٹھا ہے کیوں
میری نظروں کے مقابل آ نظارے کی طرح

ایسی دولت ہے حُسن جس کے لیئے
بادشاہوں نے بھی گدائی کی

ڈال کر عکس وہ آئینے میں بھر دیتے ہیں رنگ
ورقِ سادہ کو تصویر بنا دیتے ہیں

سب زندگی کو کہتے ہیں اک دردِ سر، مگر
مرنے کے واسطے کوئی تیار بھی نہیں

خونِ ناحق نہیں پروانوں کا دیکھا جاتا
ہم چراغوں کو سرِ شام بجھا دیتے ہیں

زندگانی میں تو دشمن ہی جلاتے ہیں مجھے
مر گیا تو دوست آئیں گے جلانے کے لئے

گھیر رکھا ہے مجھے موت کی تاریکی نے
اب تو آجاؤ چراغِ رُخِ زیبا لے کر

مری خودداریوں نے عشق کی دنیا بدل ڈالی
بنا ہوں مُنتظر سے مُنتظَر آہستہ آہستہ

ان اشعار میں شستگی ہے، پاکیزگی ہے، اظہارِ جذبات کی عمدگی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک تربیت یافتہ ذہن نے نہایت سلیقے سے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو قاری کے شعور و وجدان سے ہم آہنگ کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اس قسم کے اشعار زندہ و تابندہ رہتے ہیں۔ اور ان کے کیف و تاثر کا چشمہ کبھی خشک نہیں ہوتا۔ مجھے امید ہے کہ اہلِ علم اور دل دادگانِ شعر و سخن "لختِ جگر" کو قدر کی نگاہوں سے دیکھیں گے۔

ساحر ہوشیارپوری
دلی۔ ۲۱ مئی ۶۹ء

سخن ہائے گفتنی

از جناب نزار علامی

"لختِ جگر" جگر جالندھری کا دوسرا مجموعۂ کلام ہے۔ یقیناً اس مجموعہ کو بھی اہلِ نظر تندرست، پاکیزہ اور معیاری پائیں گے۔ "جگر" جالندھری ضرور ہیں مگر اُن کی زبان جالندھری نہیں۔ آپ ایک خوش فکر، خوش وضع، خوش گفتار اور خوش جمال نوجوان ہیں۔ مزاج میں جذبۂ سعادت مندی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ اسی لئے بزرگوں کی شفقتیں اور دعائیں ہر وقت شاملِ حال رہتی ہیں۔ مذاقِ سخن معتبر ہونے کے علاوہ شستہ بھی ہے۔ طرزِ اظہار اور اسلوبِ بیان میں بے حد دل کشی اور بے شمار لذتیں ہیں۔ ہر تخلیق میں کوئی نہ کوئی فنکارانہ اسلوب ہوتا ہے۔

جگر شعری محاسن سے آشنا ہی نہیں بلکہ ان کا استعمال بھی جانتے ہیں اسی لئے ہر صنفِ سخن پر ان کی گرفت مضبوط ہوتی ہے۔

میں سمجھتا ہوں "لختِ جگر" اردو ادب میں ایک ایسا شعری اضافہ ہے جس کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا۔ خُدا حُسنِ قبول عطا فرمائے۔ آمین

زارؔ علامی
جانشین حضرت علامہ عشقؔ آبادی

جناب جگر جالندھری میری نظر میں

از جناب وفا پٹیالوی

مجھے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ میرے عزیز دوست جناب جگر جالندھری اپنا دوسرا مجموعۂ کلام شائع کروا رہے ہیں۔ ان کا پہلا مجموعہ "سوزِ جگر" ۱۹۷۲ء میں شائع ہوا تھا۔ جس میں میں نے اپنے اور جگر صاحب کے تعلقات بہ تفصیل بیان کیے تھے۔ اور یہ لکھا تھا کہ کس طرح پنجاب بجلی بورڈ پٹیالہ میں بطور ڈپٹی سکریٹری تعینات ہونے کے بعد مجھے ان کی صحبت سے ترغیبِ شاعری ملتی رہی۔ اور میں اپنے شوق کو پورا کرتا رہا۔ اس بات کو چھ سال کا عرصہ ہو چکا ہے۔ اور جنابِ جگر کے کلام میں پہلے سے زیادہ پختگی اور بلاغت آ گئی ہے۔ اور اب وہ ہندوستان کے ممتاز اردو شعراء میں اپنا خاص مقام بنا چکے ہیں۔ معنویت، عروض، اسلوبِ بیاں، بندشِ الفاظ، غرضیکہ کسی بھی زاویۂ نقطۂ نظر سے دیکھا جائے ان کی تخلیقات ہر پہلو سے مکمل پائی جاتی ہیں۔ اور ان کا ہر شعر دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔ آپ آنجہانی قبلہ

جوشؔ ملسیانی کے خاندان کی روایات کو پوری طرح سے رکھے ہوئے ہیں۔ آپ نے سحر البیان جناب رگھبیر داس صاحب ساحرؔ سیالکوٹی سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔ چونکہ جناب ساحرؔ سیالکوٹی کی شاگردی کا مجھے بھی فخر حاصل ہے اس لئے میں یہ بخوبی جانتا ہوں کہ آنجناب نے جگرؔ صاحب کے فطری جذبۂ شاعری کی کس طرح رہنمائی کی ہے۔ لیکن اتنے عظیم استاد سے فن کا کمال حاصل کرنا بھی جناب جگرؔ صاحب ہی کا حصّہ ہے اور اگرچہ جناب ساحِرؔ صاحب انھیں فارغ الاصلاح قرار دے چکے ہیں لیکن پھر بھی وہ ان سے فیض یاب ہونا اپنا فرض سمجھتے ہیں جس سے اپنے استادِ محترم سے عقیدت بخوبی ظاہر ہے۔ آپ کی اس اردو کُشی کے دور میں اردو ادب میں والہانہ دلچسپی اور اردو شاعری سے بے حد رغبت قابلِ تحسین ہے اور اپنے گراں قدر مجموعۂ کلام کو شائع کرنے کی کوشش قابلِ ستائش ہے۔

میری دِلی دُعا ہے کہ یہ مجموعہ ادبی حلقوں میں وہی مقبولیت حاصل کرے جس کا وہ ہر لحاظ سے مستحق ہے۔ اور جگرؔ صاحب دنیائے ادب کی مدّتِ مدید تک خدمت کرتے رہیں۔ آمین

وفاؔ پٹیالوی

جنابِ جگرؔ جالندھری کا مقامِ شاعری

از گنپت سہائے سر یواستو سابق ریسرچ اسکالر الٰہ آباد یونیورسٹی

جنابِ جگر کو اپنی شاعری کی عظمت کا خود احساس ہے چنانچہ فرماتے ہیں ؎

بلبلیں دم بخود ہیں گلشن میں
اے جگرؔ تیری نغمہ خوانی سے
کیوں نہ ہوں مخمور اس سے اہلِ بزم
میرا اک اِک شعر ہے جامِ شراب

اپنی مضمون آفرینی اور جدّتِ تخیل کی نسبت فرماتے ہیں ؎

کبھی باندھا ہوا مضمون نہ باندھا میں نے
پھول سونگھا ہوا زنہار نہ سونگھا میں نے

عندلیبِ گلزارِ فصاحت، شاعرِ خوش بیاں جناب جگر جالندھری کا عنفوانِ شباب میں شعر و سخن میں صحیح مذاق پیدا کر لینا آپ کی غیر معمولی ذہانت و ذکاوت اور آئندہ عالم گیر شہرت و مقبولیت کا پیش خیمہ ہے۔ سرزمینِ پنجاب ایک ایسا گلزارِ سخن پرور ہے

جس میں بے رنگ وبو کے خود رو پھولوں کی بھرمار ہے۔ لیکن نگاہِ تحقیق سے دیکھنے پر ان میں ایسے خوشبودار دلفریب پھول نظر آتے ہیں جو اپنے شمیم مشام پرور سے ناظرین کو بے حد لطف و مسرّت بخشتے ہیں۔ بلاشبہ جنابِ جگرؔ جالندھری اس چمن کے انھیں چند خوشبودار نظر نواز پھولوں میں خاص آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔

تذکرہ

آپ کی ذات کھتری (مرواہا) ہے۔ پدرِ بزرگوار کا اسم گرامی دیس راج مرواہا ہے۔ آپ ۱۸ جنوری ۱۹۳۵ء کو ضلع امرتسر میں دریائے راوی کے کنارے واقع ایک گاؤں سارنگدیو میں پیدا ہوئے۔ پانچویں کلاس تک تعلیم گاؤں کے مدرسہ میں حاصل کی۔ ۱۹۴۷ء کی تقسیم وطن نے گاؤں چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ خاندان کے جملہ افراد کے ساتھ جالندھر منتقل ہو آئے۔ وہیں چھٹی سے بی اے تک تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۷۰ء میں پنجابی یونیورسٹی سے امتیازی پوزیشن کے ساتھ ایل ایل۔ بی (وکالت) کا امتحان پاس کیا۔ آج کل پٹیالہ میں واقع پنجاب اسٹیٹ الیکٹرسٹی بورڈ کے دفتر میں ملازم ہیں۔ تخلص جگرؔ استاد الاساتذہ ابوالفصاحت پدم شری جناب جوشؔ ملسیانی کی دین ہے۔

ابتدا میں جناب جوشؔ ملسیانی سے تلمذ تھا۔ بعدہٗ ۱۹۶۰ء سے ان کی فرمائش پر آن کے قابل شاگرد سحرالبیان جناب

ساحر سیالکوٹی کے دامنِ فیض سے وابستہ ہوئے۔ ترقی کی منزلیں اپنی خداداد ذہانت کے باعث سُرعت کے ساتھ طے کر کے آپ ایک مدت سے فارغ الاصلاح ہو گئے۔

آپ کا پہلا مجموعہ "سوزِ جگر" ۱۹۷۲ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آیا۔ یہ کتاب چھوٹی تختی کے ۱۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ جن میں صفحہ ۳ سے لے کر ۲۵ تک چند حضرات کی آپ کے کلام پر رائیں اور تبصرے ہیں۔ صفحہ ۲۶ سے ۱۲۸ تک غزلیات اور چند دلچسپ قطعات ہیں۔

محض ۳۷ سال کی عمر میں پختہ کلامی کی تمام دشوار گزار منزلیں سُرعت کے ساتھ طے کر کے صفِ اوّل کے شعراء میں اپنی جگہ بنا لینا اور منظرِ عام پر اپنے دلآویز کلام کا ایک مطبوعہ مجموعہ پیش کر دینا آپ کی وہبی موزونیٔ طبع، مذاقِ سلیم اور ذہانت و قابلیت کا ثبوت ہے۔ اردو کے اس مایوس کن تاریک ماحول میں یہ دین آپ کی شعر و سخن سے فطری لگن اور انتھک کوششوں کی ہے۔

ابوالفصاحت جناب جوشؔ ملسیانی آپ کو یوں خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں:

"زبان اور فن کی تحقیق کے شیدائی اور حُسنِ سخن کے فدائی ہیں۔ طبیعت شاعری کے لئے بہت موزوں پائی ہے۔ ان کی صحیح قسم کی موزونیٔ طبع پیچیدہ بحروں میں بھی صحیح کہنے پر قادر ہے۔ تخیّل اور زبان کو دوش بدوش رکھ کر شعر کہتے ہیں۔ طبیعت زیادہ تر غزل ہی کا میدان پسند کرتی ہے۔ ہر قسم کی

عریانی اور بازاری زبان سے بچ کر شعر کہتے ہیں۔ خوش بیانی
ان کی طبیعِ سلیم کا جوہر ہے۔"

سحابِ سخن مولانا ابر احسنی گنوری (مرحوم) جنابِ جگر کی نسبت فرماتے ہیں:

"اُغلی بے جوڑ الفاظ وزن کے اندر جمع کر دینا کوئی مشکل نہیں۔ مگر کون سا لفظ کہاں فٹ ہوگا۔ کس مقام پر وہ نگینہ بن جائے گا اور کہاں خذف ریزہ، یہ اس دیدہ ور کا کام ہے جس کو الفاظ کی قدر و قیمت معلوم ہو۔ اسی لئے تو شاعر کو مرصّع ساز کہا جاتا ہے۔ جگر شعر کے مزاج کو بھی ایک طبیبِ حاذق کی طرح جانتے ہیں۔ اور ان میں الفاظ کے استعمالِ برمحل کا بھی عرفان ہے۔ انھوں نے شعر کہنے پر محنت کی ہے۔ اور اس فن کو ایک بڑے فن کار سے سیکھا ہے۔ جو فن کار ہی نہیں جادوگر بھی ہے جس کو شعر کی نبض دیکھنی آتی ہے۔ بال کی کھال نکالنی آتی ہے۔ یعنی معروف شاعر، مشہور فن داں، مقبول سخنور ساحر سیالکوٹی ہے۔ بات بات پر فن پیشِ نظر رہتا ہے۔ معائبِ کلام اور محاسنِ کلام پر گویا اس کی حکومت ہے۔ ایسا شفیقِ باکمال جب جگر کو مل جائے تو جگر بلند پایہ شاعر، ماہر اور نباض نہ بنتے تو کیا بنتے۔"

جناب ساحر سیالکوٹی جگر کی نسبت فرماتے ہیں:

"بہت سے عزیزوں کے بعد شاعری کی دوڑ میں شامل ہوئے

مگر بہت ہی قلیل عرصہ میں وہ صفِ اوّل کے لوگوں میں شانہ بشانہ چلتے ہوئے دکھائی دینے لگے۔"

جنابِ وفا پٹیالوی فرماتے ہیں :

"جگر صاحب ایک نہایت شریف، ملنسار اور خوش اخلاق انسان بھی ہیں۔ اپنے بزرگوں کی بے حد عزّت اور ہم عمر لوگوں اور عزیزوں سے پیار کرتے ہیں۔ انھیں اردو زبان سے والہانہ محبّت ہے۔ اچھا شعر کہنا، اچھے شعر کو پسند کرنا اور اچھا شعر کہنے کی ترغیب دینا ان کی سب سے بڑی ہابی ہے۔

تبصرہ

جنابِ جگر جالندھری ایک نہایت خوش گو اور خوش فہم شاعر ہیں۔ خداداد موزونیِ طبع کے باعث ان کے کلام میں آورد اور تصنّع کی بجائے آمد اور شگفتگی پائی جاتی ہے۔ حالانکہ وہ اپنی فطری موزونیِ طبع کے زور سے ہر صنفِ شاعری میں کامیابی کے ساتھ طبع آزمائی کرتے ہیں مگر ان کی محبوب ترین صنف غزل ہی ہے۔ جملہ اصنافِ شاعری میں غزل سب سے آسان اور سب سے مشکل صنف ہے۔ آسان یوں ہے کہ کسی مضمون کو ذہن میں رکھ کر چند مربوط لفظوں کو کسی وزن میں موزوں کر دینے سے غزل کا شعر بہ آسانی بن جاتا ہے۔ مگر کیا وہ شعر جس میں شعریت نہ ہو شعر کہلانے کا مستحق ہوگا۔ جس طرح انسان کہلانے کے لیے انسانیت لازمی ہے اسی طرح شعر کہنے کے

لیے شعریت کا ہونا لازمی ہے۔ فی زمانہ غزل گو شعراء کی بھرمار ہے۔ مگر خوش گو اور باکمال غزل گو شعراء کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ جگر جالندھری کا شمار صفِ اوّل کے ممتاز غزل گویوں میں بہ آسانی کیا جا سکتا ہے۔ وہ ابھی ایک نوعمر شاعر ہوتے ہوئے بھی ایک پختہ کلام اور خوش فہم شاعر ہیں۔ شاعری میں اُن کے ذوقِ انہماک کو دیکھ کر ان کے روشن مستقبل کی پیشین گوئی کی جا سکتی ہے۔ اُمیدِ قوی ہے کہ وہ چند ہی برسوں میں عالمگیر شہرت و مقبولیت حاصل کر لیں گے۔ اور اپنے استادِ محترم جناب ساحر سیالکوٹی اور استاد الاساتذہ ابو الفصاحت جناب جوش ملسیانی کا نام اُجاگر کریں گے۔

حالانکہ غزل عاشقانہ شاعری کا نام ہے جس میں حُسن و عشق کے رابطہ کا ذکر خاص طور سے ہوتا ہے۔ مگر اس میں ہر قسم کے خیالات اور ہر نوع کے مضامین کے اظہار کی صلاحیت ہے۔ داستانِ حُسن و عشق کے علاوہ غزل میں مسائلِ تصوّف، رموزِ الٰہیات، فلسفۂ حیات، حقائقِ زندگی، واقعاتِ دنیوی، پند و نصائح، اور اخلاق وغیرہ سبھی قسم کے جذبات و مضامین کی ترجمانی ہوتی ہے۔ تمام اصنافِ سخن میں مقبول ترین صنف غزل ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مشاعروں کی کامیابی کا انحصار اچھے غزل گو شعراء پر ہی ہوتا ہے۔ نظم نگار شعراء کی طویل نظمیں بجائے لطف و سرور بخشنے کے بسا اوقات بیزاری اور بے لطفی پیدا کرتی ہیں۔ اصلاحی تحریک اور ترقی پسندی کے نام پر فی زمانہ مہمل گوئی کے طوفانِ بدتمیزی

میں بھی غزل کی مقبولیت سرِ مو کم نہیں ہوئی ہے۔

جگر کا بیشتر کلام عاشقانہ جذبات پر مبنی ہوتا ہے۔ مگر ان کے کلام میں سبھی موضوع پر ان کے نہایت دلکش اشعار کافی تعداد میں ملتے ہیں۔ یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ عام فہم اور سادہ الفاظ میں بلند مضامین اور بڑے بڑے نکات وہ کس خوبی اور بے تکلفی سے بیان کر جاتے ہیں۔ کلام میں حقیقت نگاری کا عنصر غالب ہونے سے اشعار میں جوش و تاثیر غضب کی ہوتی ہے۔ ان کی غزلیں بھرتی کے اشعار اور قافیہ پیمائی کے عیوب سے پاک ہوتی ہیں۔ اکثر پوری کی پوری غزل کیف آگیں اور مرصع ہوتی ہے۔ تخیل کی جدت اور مضامین کی نزاکت کے ساتھ ان کا اسلوب بیان اتنا دلکش ہوتا ہے کہ ان کے کلام کو سن کر یا پڑھ کر روح پھڑک اٹھتی ہے۔ حالانکہ ان کی شاعری کلاسیکل رنگ میں ہوتی ہے۔ مگر وہ فرسودہ مضامین اور روایتی شاعری کے عیوب سے پاک ہوتی ہے۔ ان کے یہاں روایات کا احترام بھی ہے اور نئے اقدار کا پاس بھی۔ زبان کی صفائی، بندش کی چستی و برجستگی اور کلام کی فصاحت و روانی کے ساتھ چل کر جگر کے تخیل کے پرواز کے لیے پہنائے عالم بھی تنگ نظر آتا ہے۔ ان کی تحقیق بیں نظر گلزارِ عالم کے گوشہ گوشہ سے گلہائے مضامین کے انبار اکٹھا کر لی ہے جسے وہ دلفریب ہار اور نظر نواز گلدستوں کی شکل میں اپنی اور نیز اربابِ ذوق کی تفریحِ طبع کے لئے پیش کرتے ہیں۔ یہ ہے جگر کی غزلوں کے رنگ و روپ کا مختصر سا خاکہ۔

اب ذیل میں ہر موضوع پر ان کی غزلوں کے چند منتخب اشعار پیش کر کے ان کی خصوصیاتِ کلام پر مزید روشنی ڈالی جا رہی ہے۔

جناب جگر کا معیارِ عشق بلند ہے۔ وہ حسن کی عزت و احترام کے ساتھ عشق کے ناموس اور شان و وقار کا بھی لحاظ رکھتے ہیں۔ دونوں کو ہم مرتبہ اور ایک دوسرے کا پورک سمجھتے ہیں۔ ان کا عشق رسوا اور ذلیل قسم کا نہیں ہوتا۔ ان کے عشق میں نہ ہوس پرستی ہے اور نہ اُن کا محبوب بازاری اور بے وفا محبوب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے کلام میں شہوت پرستی اور ابتذال کا شائبہ نہیں چنانچہ فرماتے ہیں ۔

دونوں کا ایک حال محبت نے کر دیا
اُن کو قرار ہے نہ مجھی کو قرار ہے

ہم تو مشتاقِ دید ہیں بے شک
اُن کو بھی شوقِ خود نمائی ہے

بے مدعا کسی کو کوئی چاہتا نہیں
میں چاہتا ہوں تجھ کو کوئی مدعا نہیں

داد اُلفت کی پا رہا ہوں میں
اُن کو بھی یاد آ رہا ہوں میں

خود سے گو دُور جا رہا ہوں میں
تیرے نزدیک آ رہا ہوں میں

مندرجہ بالا اشعار میں جنابِ جگرؔ نے اس خیال کی ترجمانی کی ہے کہ محبوب کو اپنے عاشق سے ملنے کا اتنا ہی اشتیاق رہتا ہے جتنا کہ عاشق کو اس کے دیدار کی حسرت و تمنّا ہوتی ہے۔ ان کے عقیدہ کی وضاحت فارسی کے اس مشہور شعر سے بھی ہوتی ہے

عشق اوّل در دلِ معشوق پیدا می شود
تا نہ سوزد شمع کے پروانہ شیدا می شود

ان کی غزلوں میں حُسن و عشق کی چھیڑ چھاڑ اور باہمی رابطہ کے دلآویز مرقعے ملتے ہیں۔ چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

سُنا تُو نے مجھے کہتی ہے دنیا تیرا دیوانا
کہے تُو بھی تو ہو جائے مکمّل میرا افسانا

سرِ محفل نقابِ روئے تاباں تُم نہ سرکانا
سمجھ کر شمعِ روشن آ نہ جائے کوئی پروانہ

سرورِ عشق مجھ کو ہے غرورِ حُسن تجھ کو ہے
اِدھر میں بھی ہوں مستانہ اُدھر تُو بھی ہے مستانہ

آپ آئے تو بن گیا خورشید
ذرّہ ذرّہ غریب خانے کا

یوں پڑا ہوں اُس آستانے پر
جیسے پتّھر ہوں آستانے کا

یہ چمن زار یہ شبِ مہتاب
نام ایسے میں لو نہ جانے کا

میری خاموشی بھی اک آواز ہے
شرحِ غم کا یہ عجب انداز ہے

دوست کی نازک مزاجی اے جگرؔ
عرضِ مطلب میں خلل انداز ہے

اب مری اُن سے ملاقات نہیں
اب وہ عالم نہیں وہ بات نہیں

بات کیا ہے کہ مجھی پر اے دوست
کرم و لطف و عنایات نہیں

جس میں پوشیدہ غرض ہو کوئی
وہ مُلاقات مُلاقات نہیں

دیکھ لیتے ہیں اگر ہم تم کو
اس میں رنجش کی تو کچھ بات نہیں

جان کے آپ طلبگار تو ہوں
کچھ بھی میرے لئے یہ بات نہیں

جیتے جی ہو ترا دیدار نصیب
میری تقدیر میں یہ بات نہیں

بازیِ عشق و محبّت میں جگر
مات بھی ہو تو کوئی مات نہیں

مَیں نہ جاؤں گا ترا در چھوڑ کر
جان دیدوں گا یہیں سر پھوڑ کر

تیرے در سا اور کوئی در نہیں
میں کہاں جاؤں ترا در چھوڑ کر

عشق میں دیکھا نہ کوئی کامیاب
مر گیا فرہاد بھی سر پھوڑ کر

ڈالتے ہو کس لئے رُخ پر نقاب
چھپ بھی سکتا ہے کہیں یہ آفتاب

شوقِ کامل دِل میں ہونا چاہیئے
خود بخود اُٹھ جائیں گے سارے حجاب

رُخِ تاباں نے ترے آگ لگا دی دِل میں
مَیں جسے پھول سمجھتا تھا وہ شعلہ نکلا

اِس قدر سنگدل اُس بُت کو بنانے والے
میرے سینے میں بھی پتھر کا جگر رکھ دیتا

وہ پاس ہیں، سبزہ ہے، لب جُو ہے گھٹا ہے
ایسے میں خطا کوش نہ ہونا بھی خطا ہے

اب جنابِ جگرؔ کی غزلوں کی لطافتِ تغزّل کو واضح کرنے کے لئے
اُن کی چند مرصّع غزلیں پیش کی جا رہی ہیں جن میں ہر نوع کے مضامین
اور دلکش اسلوبِ بیاں کے ساتھ قلمبند کیا گیا ہے ؎

حُسن والوں کی چاہ کرتا ہوں
بس یہی اک گناہ کرتا ہوں

نظر آتا ہے تُو ہی تُو مجھ کو
جس طرف بھی نگاہ کرتا ہوں

اُس کی رحمت کو آزمانا ہے
بے محابا گناہ کرتا ہوں

کر کے آباد آرزوؤں کو
دِل کی دنیا تباہ کرتا ہوں

یوں وہ میری وفا سے برہم ہیں
جیسے کوئی گُناہ کرتا ہوں

غم نے گو جان پر بنا دی ہے
پھر بھی غم سے نباہ کرتا ہوں

اے جگرؔ اُن کو یاد کر کر کے
رات دن آہ آہ کرتا ہوں

بن سنور کے وہ جب نکلتا ہے
دیکھ کر آفتاب جلتا ہے

آگے بہتے تھے اشک آنکھوں سے
خون ہی خون اب نکلتا ہے

رُک ہی جاتی ہے گردشِ دوراں
جام جب میکدے میں چلتا ہے

اُس نے رُخ سے نقاب اُلٹ کے کہا
"چاند بدلی سے یوں نکلتا ہے"

ہر سخن میں جگرؔ قلم تیرا
کیسے کیسے گہر اُگلتا ہے

ایسے کم دیکھنے میں آئے ہیں
غم میں جو لوگ مُسکرائے ہیں

رہتا ہے اُن کے رُوبرُو ہر وقت
کیا نصیب آئینے نے پائے ہیں

ہم نے اے دوست اپنے سجدوں سے
سیکڑوں بُت خدا بنائے ہیں

آپ کی ایک مُسکراہٹ پر
ہم نے قلب و جگر لُٹائے ہیں

آسماں پر وہ دیکھ ماہ و نجوم
تیرا دیدار کرنے آئے ہیں

تیرے بیمارِ غم کی پرسش کو
جو گئے ہیں اُداس آئے ہیں

اے جگرؔ دیکھ کھول بھی آنکھیں
پُرسشِ حال کو وہ آئے ہیں

اُن کا رُخ پھول کِھلا ہو جیسے
اُن کا قد سرو کھڑا ہو جیسے

ایک پل ہجر کا توبہ توبہ
ایک یُگ بیت گیا ہو جیسے

اُن کی فرقت میں مرا حال نہ پوچھ
شاخ سے پھول جُدا ہو جیسے

یہ جوانی یہ تیرا حسن و جمال
حشر میں حشر بپا ہو جیسے

پاکر اس بت کو خدا بھول گیا
وہ خدا سے بھی سوا ہو جیسے

جگرؔ اس بت ہی کا ذکر آٹھوں پہر
وہی اک تیرا خدا ہو جیسے

مندرجہ بالا اشعار میں زبان کی سادگی وسلاست کے ساتھ مضمون آفرینی اور اسلوبِ بیاں کی رنگینی و دلآویزی قابلِ داد ہے۔ تشبیہ و استعارہ کی نزاکت سے کلام کا حسن دوبالا ہو گیا ہے۔ حسن و عشق، سوز و گداز، معارف و حقائقِ زندگی وغیرہ کے دلکش مرقعے ان اشعار میں ملتے ہیں۔ ہر شعر کی ادبی لطافت اور محاسن کو بیان کرنے کے لئے فرداً فرداً وضاحت کرنے کی ضرورت تھی۔ مگر طوالت کے خوف سے ایسا کرنا یہاں ممکن نہیں ہے۔ ہر شعر ایک کوزہ کی مثل ہے۔ جس میں دریائے معنی کو بند کیا گیا ہے۔ جگرؔ کی کوئی غزل تو درکنار شاید ہی کوئی شعر ایسا ہو جو بے لطف و بے اثر ہو۔

رندی و سرمستی

ہمارے ہاتھ میں جب جام وقتِ شام آتا ہے
ہمیں پھر رحم تجھ پر گردشِ ایام آتا ہے

زندگی کی تلخیوں سے مِل گئی دِل کو نجات
یہ اثر جامِ شرابِ تلخ میں پا یا گیا

نوٹ: کتنی صداقت کے ساتھ شاعر نے ان اشعار کو کہا ہے ۔ اوّل شعر میں گردشِ ایام پہ طنزیہ چوٹ کا انداز داد طلب ہے۔

جس میں دَورِ مئے رنگیں نہ چلے
میری نظروں میں وہ برسات نہیں

توبہ توبہ بہار میں توبہ
یہ تو ہیں خاص مے کشی کے دن

جو ہے درویش بادہ خانے کا
اُس کو غم کچھ نہیں زمانے کا

سوز و گداز اور غمِ ہجر کے مرقعے

کوئی رہ رہ کے یاد آتا ہے
دل کا صبر و قرار جاتا ہے

حریمِ زیست کے ہر گوشہ میں ہے تاریکی
چراغِ رُوئے منوّر سے روشنی کر دو

ہائے کم بخت نا اُمیدی نے
میرا جینا بھی کر دیا ہے حرام

محبت میں کوئی اتنا بھی کیوں ناچار ہو جائے
کہ جینا اِک طرف مرنا اُسے دُشوار ہو جائے

اِتنا تو وہ بھی مجھ کو ستاتے نہ تھے جگرؔ
جِتنا ستا رہا ہے خیال اُن کا آج کل

شکستہ شیشۂ دِل کو لئے پھرتا ہوں ہر جانب
کوئی آئینہ گر مِلتا نہیں جو جوڑ دے اِس کو

ہم آج تک نہ تم کو فراموش کر سکے
گو تم نے ہم کو دِل سے بھلایا ہزار بار

مسئلہ جبر و اختیار کی وضاحت مندرجہ ذیل شعر میں شاعر
نے کس خوبی سے کی ہے ؎

مُختار بھی گو بشر نہیں ہے
مجبُور بھی اس قدر نہیں ہے

عرفان و تصوف

تصوّف و معارف کے پیچیدہ مسائل پر بھی جگرؔ نے عام فہم

زبان میں اس سادگی اور صفائی کے ساتھ اظہارِ خیال فرمایا ہے
کہ ان کے بیان وعقیدہ پر ایمان لانے کی زبردست ترغیب ملتی
ہے۔ چند دلآویز شعر ملاحظہ ہوں ؎

چاروں طرف جہاں میں ترا ہی ظہور تھا
دیکھا نہ آنکھ نے تو یہ اُس کا قصور تھا

اپنی ہی آنکھ تابِ نظارہ نہ لا سکی
پردہ تو اُس نے رُخ سے اٹھایا ہزار بار

کیونکر نگاہِ شوق اُسے دیکھتی کہیں
وہ تو خیال کی بھی رسائی سے دور تھا

دیر و کعبہ میں تجھے کیوں ڈھونڈوں
کیا مری ذات تری ذات نہیں؟

تری جستجو میں یہ منزل بھی آئی
ہوئے آپ گم تجھ کو پانے سے پہلے

دیر و حرم میں کیوں میں تجھے ڈھونڈتا پھروں
دُنیائے ہست میں ترا جلوہ کہاں نہیں

کسی کے عشق میں یہ حال ہے جگرؔ اپنا
نہ کچھ خوشی کی خوشی ہے نہ غم کا کچھ غم ہے

محبّت نے پردہ دُوئی کا اُٹھایا
نہ مَیں، مَیں رہا ہوں نہ تُو تُو رہا ہے

کعبے میں، بتکدے میں، بیاباں میں، باغ میں
ہم اُس کو ڈھونڈتے ہیں ہمیں وہ کہیں ملے

محبّت کرنے والے اک تجھی کو سجدہ کرتے ہیں
اُنھیں پروا نہیں اس کی یہ کعبہ ہے کہ بُت خانہ

زندگی

سفر زندگی کا بہت پُرخطر ہے
ہر اک گام پر اس میں رہزن کا ڈر ہے

دل آویز ہے کس قدر یہ تعلق
کوئی منتظِر ہے کوئی منتظَر ہے

جو بھی دنیا سے دِل لگاتا ہے
زندگی بھر وہ غم اٹھاتا ہے

رازِ الفت عیاں نہ ہو جائے
کیا بھروسہ ہے راز داروں کا

جُھکتے ہیں آدمی ہی کے قدموں پر آدمی
پھر بھی یہ لوگ کہتے ہیں بندہ خُدا نہیں

فلسفیانہ و حکیمانہ اشعار

اُس کے ہنسنے پہ روتی ہے شبنم
جانتی ہے وہ پھول کا انجام

فسُردہ بھی ہونا پڑے گا کلی کو
یہ سمجھی نہ وہ مسکرانے سے پہلے

رموزِ عشق و محبّت

بڑھتی جاتی ہے آتشِ اُلفت
کوئی جتنا اسے بجھاتا ہے

ترا اقرار زندگی کی نوید
ترا انکار موت کا پیغام

مزاجِ یار ہے اچّھا تو ہے جہان اچّھا
مزاجِ یار ہے برہم جہان برہم ہے

یاس و حسرت

ہجومِ یاس و حسرت سے یہ صورت ہے مرے دل کی
کہ آبادی کی آبادی ہے ویرانے کا ویرانہ

تمنائے دیدار تک بر نہ آئی
اجل آگئی اُن کے آنے سے پہلے

حُبِ وطن

لوگ کہتے ہیں جسے باغِ جناں
وہ ہے اپنا گلشنِ ہندوستاں

گلزارِ ہند پھولتا پھلتا رہے مُدام
یارب کبھی یہ باغ سپُردِ خزاں نہ ہو

وطن کی آزادی و خستہ حالی پر طنزیہ چوٹ

بہار آنے کو آئی تو ہے چمن میں، مگر
ترس رہا ہے ہر اک گُل شگفتگی کے لئے

غنچہ ہے دِل گرفتہ تو گُل دِل فگار ہے
کیونکر کہوں کہ باغ میں جشنِ بہار ہے

مضمون آفرینی و نُدرتِ اندازِ بیاں

اُنھیں شک ہے تری رحمت پہ شاید
گُنہ کرنے سے جو گھبرا رہے ہیں

ہوئی ہیں بستیاں ویراں ہزاروں
خدا جانے کہاں سب جا رہے ہیں

بشر کی ہڈیاں تک اِس نے کھالیں
فلک سے بڑھ کے ظالم یہ زمیں ہے

مندرجہ بالا اشعار سے یہ صاف واضح ہوتا ہے کہ جناب جگر جالندھری کی فطری موزونیِ طبع تغزّل سے لطیف رنگ میں ہر موضوع اور ہر نوع کے نہایت دلآویز اشعار کہنے پر قادر ہے۔ الفاظ کی تکرار اور اُلٹ پھیر سے لفظی و معنوی حُسن میں بے حد اضافہ کر دینے کا انھیں خاص ملکہ حاصل ہے۔ سنگلاخ زمینوں اور دشوار ردیف و قافیہ میں بھی انھوں نے نہایت کامیاب اور دلکش غزلیں کہی ہیں۔ ان کے کلام کی خوبیوں کا کماحقہ اندازہ اُن کے مجموعۂ کلام کا عمیق مطالعہ کر کے ہی لگایا جاسکتا ہے۔

غزلیات کے علاوہ جناب جگر نے متعدد دل پسند قطعات

اور نظمیات بھی کہی ہیں۔ جگہ کی تنگی اس کا حسبِ دل خواہ انتخاب پیش کرنے میں مانع ہے۔ چند بصیرت افروز و ہوش رُبا قطعات ملاحظہ ہوں ؎

موسمِ گل میں یوں عروسِ بہار
کر رہی ہے گلوں سے زینتِ باغ
جیسے دیوالی کو دلہن کوئی
بام و در پر جلا رہی ہو چراغ

دستِ ساقی بنی ہے شاخِ گل
اور ہر گل ہے ایک پیمانہ
دیکھنے کی طرح جو ہم دیکھیں
ہر گلستاں ہے ایک مے خانہ

جفا پسند زمانے کی بات کیا کہیئے
کئی نقوش جہاں سے مٹائے جاتے ہیں
اک اپنی بزم کی رونق بڑھانے کی خاطر
جلا کے شمع پتنگے جلائے جاتے ہیں

زمانے کے جو لوگ اچھے ہیں وہ یہ سوچ کر آخر
بُروں کے تیر و نشتر کو گوارا کر ہی لیتے ہیں
خلش ہے عمر بھر کی اُن کے پہلو میں مگر پھر بھی
چمن کے پھول کانٹوں میں گزارا کر ہی لیتے ہیں

آپ کی نظمیں عموماً حب الوطنی، قومی یگانگت اور سرفروشانِ وطن کے عنوان پر ہوتی ہیں۔ جن سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے دل میں وطن کی محبت اور قوم کی عزت وعظمت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ نظم "قومی یکجہتی" کا ایک بند ملاحظہ ہو ؎

نہ ہندو ہو نہ مسلم ہو نہ سکھ ہو تم نہ عیسائی
نہ پنجابی نہ بنگالی نہ آسامی نہ گجراتی
مراٹھی ہو نہ کشمیری، بہاری ہو نہ مدراسی
وطن ہندوستاں ہے اور تم ہو سب کے سب ہندی
مٹا دو مذہب و ملّت کے جھگڑے اے وطن والو
تم اب تسبیح کے دانوں کی صورت ایک ہو جاؤ

گنپت سہائے سرلوا ستو
جھانسی (یو۔ پی)

غزلیات

○

حضور دیکھے ہیں ہم نے جناب دیکھے ہیں
زمیں میں دفن کئی آفتاب دیکھے ہیں

اشارے کرتے ہیں پردے سے سر محفل
حجاب والے بڑے بے حجاب دیکھے ہیں

ترے بدن کی مہک ہے ترے بدن کی مہک
چمن میں لاکھ مہکتے گلاب دیکھے ہیں

وہ کب اٹھاتے ہیں سر اپنا بحرِ ہستی میں
شکستہ ہوتے جنھوں نے حباب دیکھے ہیں

جناب کو مری نظروں نے جب سے دیکھا ہے
نہ کہکشاں نہ مہ و آفتاب دیکھے ہیں

محبت آپ کی جنت بھی ہے جہنم بھی
ثواب دیکھے ہیں اس میں عذاب دیکھے ہیں

نہ حسن ہے نہ جوانی ہے پائدار جگر
غروب ہوتے مہ و آفتاب دیکھے ہیں

○

بات جو حق کی ہے حق والے سُنا دیتے ہیں
لوگ بے ننگ اُنھیں سُولی پہ چڑھا دیتے ہیں

ڈال کر عکس وہ آئینے میں بھر دیتے ہیں رنگ
ورقِ سادہ کو تصویر بنا دیتے ہیں

سَو بہاروں سے کبھی پھول اتنے نہ کھلنے پائیں
جتنے اک جنبشِ لب سے وہ کھلا دیتے ہیں

خونِ ناحق نہیں پروانوں کا دیکھا جاتا
ہم چراغوں کو سرِ شام بجھا دیتے ہیں

مُجرمِ عشق ہوں میں سب سے بڑا جُرم ہے عشق
جو سزا مجھ کو وہ دیتے ہیں بجا دیتے ہیں

امتحاں اہلِ ہوس کا ہے عبث، یاد رہے
جان دیتے ہیں تو اربابِ وفا دیتے ہیں

ایسے لوگوں سے بھلا کیا ہو توقع ہم کو
قتل کر کے بھی جو احسان جتا دیتے ہیں

یہ مُسلسل بے قراری کیوں ہے پارے کی طرح
زندگی تیری تو ہے اک پل شرارے کی طرح

تُو اگر پیاسا ہے دریا سے نہ لے پانی کی بوند
اپنی خودداری کو قائم رکھ کنارے کی طرح

آرزوؤں کی طرح دِل میں چھپا بیٹھا ہے کیوں
میری نظروں کے مقابِل آ نظارے کی طرح

جلد ٹکڑے ٹکڑے ہو کر خاک میں مل جائے گا
کیوں ہوا میں اُڑ رہا ہے تُو غبارے کی طرح

سو سمندر بھی اُسے سیراب کر سکتے نہیں
پیاس جو اپنی بڑھاتا ہے کنارے کی طرح

تُو اگر بے تاب ہے اکسیر بننے کے لئے
اپنی ہستی کو مٹا دے کُشتہ پارے کی طرح
آسماں کی گردشوں کا تیرے دل میں خوف کیوں
تُو جو مرکز پر کھڑا ہے قُطب تارے کی طرح
سامنے میرے تمہارے حُسن کا دریا رہے
اور میں دیکھا کروں تم کو کنارے کی طرح
ہے تصوّر میں مرے اک نُور کا پُتلا جگر
شعر میرا کیوں نہ روشن ہو ستارے کی طرح

○

آج کیا جانے چمن والوں پہ کیا گزری ہے
سسکیاں بھرتی ہوئی بادِ صبا گزری ہے

زندگی میری جو گزری ہے تو کیا گزری ہے
قہر گزرا ہے مرے سر سے بلا گزری ہے

ہر نفس اس نے مجھے کوچ کا پیغام دیا
بن کے ہر سانس مری بانگِ درا گزری ہے

میں نے کانٹوں سے بھی پھولوں کی طرح پیار کیا
زندگانی مری مانندِ صبا گزری ہے

کسی بے چارے کا دل ٹوٹ گیا ہو شاید
دل شکن اک مرے کانوں میں صدا گزری ہے

اہلِ گلشن تو جگر پھر بھی ہیں اہلِ گلشن
ہم قفس والوں سے تو بچ کے صبا گزری ہے

(بہ شکریہ آل انڈیا ریڈیو جالندھر)

کوئی بہتر ہے نہ بدتر پتھروں کے شہر میں
سارے پتھر ہیں برابر پتھروں کے شہر میں

سنگدل لوگوں میں ہم نے عمر ساری کاٹ دی
کوئی اک دن دیکھے رہ کر پتھروں کے شہر میں

جب سے تیرے در پہ آیا سنگِ اشود بن گیا
ورنہ تھا بےکار پتھر پتھروں کے شہر میں

پتھروں کے شہر میں کہتے ہو پتھر ہیں فقط
اور کیا ہوں لعل و گوہر پتھروں کے شہر میں

بےحسوں کی صحبتوں نے مجھ کو بےحس کر دیا
بن گیا پتھر میں رہ کر پتھروں کے شہر میں

جیتے جی تو مل گئیں ہم کو بتوں کی صحبتیں
دفن بھی ہوں کاش مر کر پتھروں کے شہر میں
اپنے مندر کی میں جس سے مورتی بنوا سکوں
ڈھونڈتا ہوں ایسا پتھر پتھروں کے شہر میں
پتھروں کے شہر میں جانا ہے دیوانوں کا کام
کس لئے جائیں سخنور پتھروں کے شہر میں
تم کو امیدِ وفا وہ بھی بتوں سے اے جگر
ڈھونڈتے ہو پھول جا کر پتھروں کے شہر میں

بہا آنسو مگر اے چشمِ تر آہستہ آہستہ
شبِ غم ہو ہی جائے گی بسر آہستہ آہستہ
خوشی کیا ہو مجھے ارمانوں کے دِل سے نکلنے کی
اُجڑتا جا رہا ہے یہ نگر آہستہ آہستہ
مِری خودداریوں نے عشق کی دُنیا بدل ڈالی
بنا ہوں منتظِر سے مُنتظَر آہستہ آہستہ
زمیں میں ہو چکے ہیں دفن لاکھوں جوہرِ قابل
یہ مٹّی کھا گئی کتنے گہُر آہستہ آہستہ
ہم اُلٹی راہ پر تو گامزن رہتے ہیں تیزی سے
مگر چلتے ہیں سیدھی راہ پر آہستہ آہستہ

نہ گھبرا زندگی کے رنج و غم سے اے دلِ ناداں
گزر جائیں گے یہ شام و سحر آہستہ آہستہ
ٹپکتے ہیں تمھاری یاد میں جو میری آنکھوں سے
وہ آنسو بن ہی جائیں گے گہر آہستہ آہستہ
کہیں جاتا ہے کوشش سے کبھی اُن کے عشق کا سودا
جگر جانے کو جائے گا مگر آہستہ آہستہ

○

کیا ساحل نے جب ہم سے کنارا
بڑھا کر ہاتھ طوفاں نے پکارا
خزاں آنے کو ہے شاید چمن میں
یہاں اب جی نہیں لگتا ہمارا
ڈبویا جس جگہ پر زندگی نے
وہیں سے موت نے مجھ کو ابھارا
مرا دامن ابھی زیرِ رفو ہے
بہار آ بھی گئی جا کر دوبارا
اجل کو پالیا عمرِ رواں نے
سفینے کو ملا آخر کنارا
جواب اس کا دو اے غم کھانے والو!
کہاں تک کھا سکو گے خام پارا

مِلی صیّاد کو اب باغبانی
گلستاں میں نہیں ممکن گُزارا
کلیجے سے لگا رہتا ہے ہر دم
نہ کیوں ہو غم تمہارا تم سے پیارا
رسالے زندگانی کے پڑھے ہیں
نہیں دِلچسپ کوئی بھی شمارا
یقیناً تم مِرے قاتل نہیں ہو
زمانہ نام لیتا ہے تمہارا
نظر اُٹھتی نہیں پہلی جھلک سے
جگر دیکھوں اُنھیں کیونکر دوبارا

(بہ شکریہ آل انڈیا ریڈیو جالندھر)

اَوروں کا خون پی کے اگر جھومتا نہ تھا
یہ جانیے کہ شخص وہ اِس دور کا نہ تھا

طُوفاں سے بچ گیا تو یہ کیا مُعجزانہ تھا؟
کشتی نہ تھی، کنارا نہ تھا، ناخُدا نہ تھا

یہ عِلم مُجھ کو بعدِ مُلاقات ہی ہُوا
جس کی تلاش تھی وہ کوئی دُوسرا نہ تھا

منزل کی راہ سے مجھے مقتل کو لے گیا
دِل میرا راہ زن تھا مِرا رہنما نہ تھا

مرنے کے بعد اُس کو زمیں نے دبا لیا
جو شخص زندگی میں فلک سے دبا نہ تھا

جاتے ہی تیرے ٹوٹ گیا کیوں، خبر نہیں
اے بے وفا یہ دِل ترا عہدِ وفا نہ تھا
کھانے کو غم مِلا ہے تو پینے کو خُونِ دل
تقدیر میں ہماری یہی آب و دانہ تھا
اُس شخص کی تلاش میں گُزری تمام عُمر
جس کو جِگر میں جانتا پہچانتا نہ تھا

○

کرتا نہیں ہے کون رُخِ یار کو پسند
قرآن یہ ہے کافر و دیندار کو پسند
اچھّے بنے کبھی نہ کسی کی نگاہ میں
ہم پھول کو پسند نہ ہیں خار کو پسند
اُن کے سبب تو شانِ کریمی ہوئی نصیب
آئیں نہ کیوں گُناہ گُنہگار کو پسند
پہنچا دیا کرے جو قفس تک دو چار پھول
ایسی ہوا ہے مُرغِ گرفتار کو پسند
منہ اُس کا اک دُلہن کی طرح لال سُرخ ہے
آیا مِرا لہو تری تلوار کو پسند
وہ ناقبول جنس ہیں ہم تیرے شہر میں
نادار کو پسند نہ زردار کو پسند

دانے کی فکر ہے نہ نشیمن کی فکر ہے
کُنجِ قفس ہے مُرغِ گرفتار کو پسند

اپنے لہو سے پھول کا ہمسر بنا دیا
چھالے ہمارے آئیں نہ کیوں خار کو پسند

اِنساں سے اُنس کیوں نہ ہو پروردگار کو
تعمیر اپنی ہوتی ہے معمار کو پسند

اشکوں سے رُوئے یار نکھرتا نہ کیوں جگر
بارش ہمیشہ ہوتی ہے گُلزار کو پسند

ایسا طوفان اٹھا دیدۂ تر آج کی رات
جانے پائیں نہ کسی طور وہ گھر آج کی رات

میرے گھر ٹھہرے گا وہ رشکِ قمر آج کی رات
چاند کو سونپوں گا دربانیٔ در آج کی رات

سامنے بیٹھے ہیں وہ روپ سنہری لے کر
تارِ زریں ہے مرا تارِ نظر آج کی رات

نہ ہو دورانِ ملاقات سحر کا کھٹکا
اے فلک! کاٹ دے تو وقت کے پر آج کی رات

لے کے آیا ہے کوئی سرخ چمکتا چہرا
کیوں نہ تقسیم کروں لعل و گہر آج کی رات

چاند سا حسن ہے سورج سی جوانی اس کی
ہیں بیک وقت بہم شمس و قمر آج کی رات

کل ملاقات کا وعدہ ہے کسی خوش رو سے
رات مجھ کو ہے قیامت کی جگر آج کی رات

چہرے پہ تیرے شام وسحر آب وتاب ہے
جس کو نہیں زوال یہ وہ آفتاب ہے

یہ زیست اک فریب ہے، دھوکہ ہے، خواب ہے
جس کو سمجھ رہا ہے تُو دریا، سراب ہے

ہیں بادشاہِ وقت ہوں میں حکمرانِ وقت
اِس وقت میرے ہاتھ میں جامِ شراب ہے

اے دِل خیال چھوڑ دے رُخسارِ یار کا
دیکھے گا کون تیز بہت آفتاب ہے

بے مِثل تم جو حُسن میں ہو میں ہُوں عشق میں
میرا جواب ہے نہ تمھارا جواب ہے

آئے بڑے گھمنڈ سے تھے تیرے سامنے
بے نُور ماہتاب ہے، زرد آفتاب ہے

ہرگز نہ مُنہ لگاؤں گا مَیں تجھ کو دُخترِ رز!
تو بے حجاب ہے، تو بڑی بے حجاب ہے
دیکھا ہے رنگ رُوپ تو خوشبو بھی دیکھئے
اپنے چمن کا پھول ہر اک لاجواب ہے
ہیں تیری مست آنکھیں کہ نرگس کے پھول ہیں
چہرہ ہے یہ ترا کہ شگفتہ گُلاب ہے
حُسن اور عشق کا ہے جگر کیا مقابلہ
یہ ایک قطرہ اوس کا وہ آفتاب ہے

○

تم حُسن کو نہ دیکھو خریدار کی طرح
سَودا نہیں یہ سَودائے بازار کی طرح

جو خود کبھی تھے صبحِ ضیا بار کی طرح
محتاجِ روشنی ہیں شبِ تار کی طرح

دُنیا نے اُس کو جیسا بھی چاہا بنا دیا
جو شخص چُپ رہا درو دیوار کی طرح

اُلفت کو اب جہاں میں کوئی پوچھتا نہیں
پھرتی ہے خوار آج کے فنکار کی طرح

دامن کو موتیوں سے کئی بار بھر دیا
ہے آنکھ اپنی ابرِ گہر بار کی طرح

پھولوں سے پتّھروں کا دیا کرتے ہیں جواب
اپنا چلن ہے شاخِ ثمر دار کی طرح

ہرگز کسی کو سائے میں اپنے نہ لیجئے
جلنا پڑے گا دھوپ میں اشجار کی طرح
محشر میں اُس کی شانِ کریمی کو دیکھ کر
بیٹھے ہیں بے گُناہ ، گنہگار کی طرح
ہر روز واسطہ ہے نئی واردات سے
اپنی حیات بن گئی اخبار کی طرح
اسرارِ زندگی سے جگرؔ جو ہیں آشنا
سُولی قبول کرتے ہیں وہ ہار کی طرح

کہاں سے آیا ہوں، جانا کہاں ہے، کون ہوں کیا ہوں
اِسی تشویش میں شام و سحر میں غرق رہتا ہوں
مجھے یہ علم ہے سب سے بڑا تیرا کرشما ہوں
زمانے کی نظر میں تو میں اک مٹی کا پتلا ہوں
حجابِ یار اُٹھے گا میں جب دُنیا سے اُٹھوں گا
مجھے معلوم ہے میں خود ہی اُس کے رُخ کا پردا ہوں
مجھے لُوٹا کسی نے اپنی دُنیا کے لئے، لیکن
نہ یہ کم بخت نے سوچا کسی کی میں بھی دنیا ہوں
زمانے والے مجھ کو دیکھ کر مُنہ پھیر لیتے ہیں
بھری محفل میں رہتا ہوں مگر پھر بھی اکیلا ہوں

مجھے ڈر ہے جلا ڈالے نہ میرے چمن کی دنیا
چراغِ آرزو کو دِل میں روشن کر تو بیٹھا ہوں

مرے دم ہی سے رونق ہے گلستاں ہو کہ صحرا ہو
گلستاں میں شگوفہ ہوں تو صحرا میں بگولا ہوں

دیا دِل نے سہارا میری مایوسی میں یہ کہہ کر
"نہ گھبرا میں اکیلا سو سہاروں کا سہارا ہوں"

یہ کل کی بات ہے میری حکومت تھی فرشتوں پر
جگرؔ کیا پوچھتے ہو آج میں بندوں کا بندا ہوں

(بہ شکریہ آل انڈیا ریڈیو جالندھر)

فلک کی جفاؤں سے تنگ آ کر آخر، کیا میرے دل نے جب اک روز نالا
زمیں تک فرشتوں کی آئیں صدائیں "ہمیں مار ڈالا، ہمیں مار ڈالا"

بڑی دیر کے بعد آیا ہوں ساقی، کہاں تک تُو بھر بھر کے دے گا پیالا
تکلّف کو چھوڑ اور رکھ دے پیالا، جو مٹکا پڑا ہے اُسی کو اُٹھا لا

کہاں مدھ بھری تھیں یہ تیری نگاہیں، کہاں تجھ میں تھیں پیاری پیاری ادائیں
یہ سارا کرشمہ مِرے عشق کا ہے، ترے حُسن کو جس نے سانچے میں ڈھالا

یہ کیا ماجرا ہے، یہ کیا مضحکہ ہے، یہ کیا دوستی ہے، یہ کیا دِل لگی ہے
اُدھر گوشۂ دل میں تُو نے جگہ دی، اِدھر اپنی محفل سے مجھ کو نکالا

نہ دے چارہ گر مجھ کو جھوٹے دِلاسے، نہیں کچھ بھی ہونے کا تیری دوا سے
اگر چاہتا ہے تُو مجھ کو بچانا، ابھی اُٹھ کے جا کر تُو اُن کو منا لا

بڑی چشم گریاں نے زحمت اٹھائی، جو دِل میں لگی تھی نہ کم ہونے پائی
بجھانے کی کی جس قدر ہم نے کوشش، بھڑکتی گئی اُس قدر یہ جوالا
کیا غور ہم نے تو یہ راز جانا، پُجاری ہے مُردوں کا ظالم زمانہ
جسے عمر بھر اِس نے رکھا برہنہ، مرا جب تو ڈالا بن بِرھ دوشالا
جگر جلوۂ یار جب دل میں پاؤں، تو کیوں اِس کے آگے نہ سر کو جھکاؤں
یہی میرا کعبہ، یہی ہے کلیسا، یہی میرا مندر، یہی ہے شوالا

ایک پیمانے سے ہر اک کو پلا دے ساقی
ادنیٰ و اعلیٰ کی تفریق مٹا دے ساقی
رہن رکھنے کو میں تیار رہوں اپنی ہستی
تو جو مے خانہ مرے نام لگا دے ساقی
تیرے مے خانے میں رونق ہے ہمارے دم سے
حشر تک زندہ رہیں ہم یہ دعا دے ساقی
دیکھ یہ ادنیٰ و اعلیٰ کی بنا پر تقسیم
کہیں مے خانے کی عظمت نہ گھٹا دے ساقی
تیرے مے خانے کی خیر ایسی پلا دے مجھ کو
حشر تک جو مجھے مستانہ بنا دے ساقی

دستِ نازک سے اٹھائے گا کہاں تک ساغر
مست نظروں سے بس اک جام پلا دے ساقی

اب کسی طور سنبھالا نہیں جاتا مجھ سے
جامِ مے خود مِرے ہونٹوں سے لگا دے ساقی

دیکھ اِن پیاسوں کی آہ اور رسرشکوں کا ہجوم
مے کدے میں کوئی طوفاں نہ اُٹھا دے ساقی

جام و پیمانہ اُٹھانے کی ضرورت نہ پڑے
شعر ہی ایک جگرؔ کا تو سنا دے ساقی

سامنے اپنے صُراحی، جام، پیمانہ رہے
عُمر بھر اے کاش اِن یاروں سے یارانہ رہے
گُل کے بُلبُل، شمع کے نزدیک پروانہ رہے
کِس طرح پھر دُور تجھ سے تیرا دیوانہ رہے
رہ کے گردش میں بھی انساں خدمتِ انساں کرے
اِس جہاں کے میکدے میں بن کے پیمانہ رہے
دیکھ کر جلوے بُتوں کے دل سے نکلی یہ دُعا
"یا الٰہی حشر تک آباد بُت خانہ رہے"
عقل والے کو زمانے میں ہیں لاکھوں رنج و غم
اِن سے بچ سکتا ہے وہ جو بن کے دیوانہ رہے

اِس کی مٹّی میں ہے ہم گردشِ نصیبوں کا خمیر
زندگی بھر کیوں نہ پھر گردش میں پیمانہ رہے

ساقیا کچھ اِس طرح تقسیم کا کر انتظام
بزم میں خالی کسی کا بھی نہ پیمانہ رہے

شوق اِتنا ہے اُنھیں بننے سنورنے کا جگرؔ
چاہتے ہیں پاس آئینہ رہے، شانہ رہے

○

تم ہمارے مرنے پر کیوں رونے چلّانے لگے
ہم مسافر تھے یہاں اب اپنے گھر جانے لگے

ہو کے نازک تن غمِ دوراں کے منہ آنے لگے
ہم وہ آئینے ہیں جو پتّھر سے ٹکرانے لگے

اے محبّت تُو نے کیا سے کیا بنا ڈالا مجھے
جن کو سمجھاتا تھا مَیں وہ مجھ کو سمجھانے لگے

مَیں تو اِس اُمّید پر آیا تھا تم پونچھو گے اشک
تم تو خود ہمراہ میرے اشک ٹپکانے لگے

مَیں دُعاؤں پر دُعائیں دے رہا ہوں موت کو
وہ جو برساتے تھے پتّھر پھول برسانے لگے

ہم تو سمجھے تھے کہ گھبرائیں گے آہِ سرد سے
وہ بڑے آرام سے ٹھنڈی ہوا کھانے لگے
اے مصوّر کھینچ ایسے ڈھنگ سے تصویرِ یار
ایک ایک اُس کی ادا جس میں نظر آنے لگے
جب ہوئے وہ باخبر اپنی اداؤں سے جگر
آئینے کے سامنے آنے سے گھبرانے لگے

(بہ شکریہ آل انڈیا ریڈیو جالندھر)

فقط ہے موت اک ایسی دلہن ساری خدائی میں
بشر کی جان لیتی ہے جگر جو منہ دکھائی میں

نہیں تقریر اِن کی بے غرض مے کی بُرائی میں
مزے رِندی کے لیتے ہیں یہ واعظ پارسائی میں

قرار آیا نہ یُوں ہم کو، نہ یُوں ہم کو قرار آیا
تڑپ دِل کی برابر تھی مُلاقات و جُدائی میں

جگر دل سے گریزاں ہے جگر سے دِل گریزاں ہے
تمھاری عاشقی نے پھوٹ ڈالی بھائی بھائی میں

جو آپس میں مُلاقاتیں کِیا کرتے ہیں ہنس ہنس کر
وہی دیوار و در سے لگ کے روتے ہیں جُدائی میں

میں اپنی زندگی سے اُن دِنوں کو کاٹ دیتا ہوں
جو کٹتے ہیں کسی رشکِ مسیحا کی جُدائی میں
کبھی ہم سے خفا وہ ہیں کبھی اُن سے خفا ہم ہیں
گُزرتے جا رہے ہیں اِس طرح دن آشنائی میں
جگرؔ اِک عمر کے رشتے کو یکدم توڑ دیتی ہے
نہیں بڑھ کر کوئی بھی زندگی سے بے وفائی میں

(بہ شکریہ آل انڈیا ریڈیو جالندھر)

پتھر ہے دِل نہیں وہ کہتا ہُوں مَیں یقیں سے
ہوتی نہیں محبّت جس کو کسی حسیں سے
پابند حُسن والے "ہاں" کے کبھی جب نہیں ہیں
مایوس ہو نہ اے دل اُن کی "نہیں نہیں" سے
جنّت میں اِن بُتوں سا شاید مِلے نہ کوئی
اے کاش ایک دو کو لے جا سکُوں یہیں سے
بے چارگی ہے کیا شَے پُوچھے یہ اُس سے کوئی
جو پونچھتا ہو آنسو اپنی ہی آستیں سے
وہ ایک سنگریزہ یہ اک گُلِ شگفتہ
مَیں چاند کو مِلا دوں کیونکر تری جبیں سے

کوئی نہیں ہے مجھ سا ہر اک یہی کہے گا
یہ بات پوچھ دیکھو بے شک کسی حسیں سے
ہندو ہو یا مسلماں دونوں میں فرق کیا ہے
تو اِن کو جان یکساں بڑھ آگے کفر و دیں سے
اشعار سب جگرؔ نے کیا دل نشیں کہے ہیں
گونجی ہے خوب محفل تحسین و آفریں سے

○

اچھی صورت سے آشنائی کی
ہم نے بس اک یہی بُرائی کی
جنگ کی، صلح کی، بُرائی کی
آپ نے جو بھی جی میں آئی، کی
ایسی دولت ہے حُسن جس کے لئے
بادشاہوں نے بھی گدائی کی
شکوۂ جور اُن سے کون کرے
کس کو جرأت ہے لب کشائی کی
جی سے گزرے نہ آدمی جب تک
شب گزرتی نہیں جُدائی کی

آدمی مر کے جنم لیتا ہے
کوئی صورت نہیں رہائی کی
وعدۂ یار تک نہ ساتھ دیا
زندگی نے بھی بے وفائی کی
تم سے مل کر جو مل رہے ہیں مزے
مہربانی ہے سب جُدائی کی
زندگی جب جگرؔ بنی دشمن
موت نے ہم سے آشنائی کی

○

داغِ دل ، داغِ جگر ، داغِ تمنّا لے کر
جا رہا ہوں تری محفل سے مَیں کیا کیا لے کر

چاند نِکلا ہے اُدھر حُسن کا دعوےٰ لے کر
آپ بھی آئیں ذرا چہرۂ زیبا لے کر

اب ستم کرتے ہو ہنس ہنس کے مگر یاد رہے
ایک دن روؤ گے تم نام ہمارا لے کر

گھیر رکھّا ہے مجھے موت کی تاریکی نے
اب تو آ جاؤ چراغِ رُخِ زیبا لے کر

زیست کے ساتھ ہی پیغام اجل کا آیا
روشنی مجھ کو ملی ساتھ اندھیرا لے کر

نہ تو اُن تک مرے یادوں نے مجھے پہنچایا
نہ ہی مجھ تک جگرؔ اُن کو کوئی آیا لے کر

○

موسمِ برسات نے کی ابتدا برسات کی
میری چشمِ تر سے ہو گی اِنتہا برسات کی

میرے سینے میں بھڑکتے ہیں جو شعلے آگ کے
اُن کو ٹھنڈا کر نہیں سکتی گھٹا برسات کی

اِس کی اک جُنبش سے مُردہ جسم میں جان آگئی
کر رہی ہے کیا مسیحائی ہوا برسات کی

مے پرستی کی ہمیں تحریک دی برسات نے
مے پرستی بھی ہے گویا اک خطا برسات کی

بادۂ گلفام سے جو گرم رہتے ہیں مدام
اُن کو لگ سکتی نہیں ٹھنڈی ہوا برسات کی

سبزۂ مُردہ کو خوابِ مرگ سے چونکا دیا
بن گئی عیسیٰ نفس دیکھو گھٹا برسات کی
دیکھ کر اب رند بھی سب جام چھلکانے لگے
کس قدر ہے پیاری پیاری ہر ادا برسات کی
اِس کو سُن سُن کر ہمارا ناک میں دم آگیا
ختم بھی کر اے جگرؔ اب یہ کتھا برسات کی

دل مرا ٹوٹا نگاہِ یار نے
ہوش اڑائے ابروئے خمدار نے
وہ پلائی چشمِ مستِ یار نے
توڑ ڈالا جام ہر مے خوار نے
کہہ دیا کیا عشق کے بیمار نے
کی دُعا مرنے کی ہر غم خوار نے
ہم سمجھتے تھے اِسے وجہِ سکوں
اور تڑپایا ترے دیدار نے
دُشمنوں کی دشمنی سے بچ گیا
مار ڈالا مجھ کو تیرے پیار نے
ظالموں سے دوستی کرنی پڑی
مجھ کو مارا لذّتِ آزار نے
رنج و غم، آہ و فغاں، سوز و گداز
کی وفا مجھ سے انھیں دو چار نے

دشت میں اتنی مری عزّت ہوئی
دی جگہ سر پر مجھے ہر خار نے
چند آہیں، چند نالے، چند اشک
مجھ کو بخشے حُسن کی سرکار نے
قیس، وامق، کوہ کن جیسے جواں
مار ڈالے عشق کے آزار نے
خوش نوائی پر تھا بُلبل کو غرور
مُنہ کیا بند آپ کی گفتار نے
دہر میں چھوڑا نہ کوئی تندرست
اے جگر اُس نرگسِ بیمار نے

○

جب مقدّر ہی ہو بُرا اپنا
پھر جگر کیا کرے کِیا اپنا
ساتھ دے نالۂ رسا! اپنا
ہے فلک سے مُقابلا اپنا
جب چمن ہی اُجڑ گیا اپنا
کیا بہاروں سے واسطا اپنا
بُت کریں گے بگاڑ کیا اپنا
جب مددگار ہے خُدا اپنا
دِل میں آجائیں پوچھتے کیا ہیں
یہ تو گھر ہے جناب کا اپنا
ترکِ الفت پہ کیا کہوں اے دل
سوچ لے خود بُرا بھلا اپنا

پھر ترے رُخ کے سامنے آئے
پہلے منہ دیکھے آئنہ اپنا
خاک میں مِل گئے ہیں سب ارماں
لُٹ گیا ہائے قافلہ اپنا
عِشق سے فائدہ یہی کچھ ہے
ذکر ہوتا ہے جا بجا اپنا
اے جگرؔ اِس جہاں کی محفل میں
نہیں کوئی بھی آشنا اپنا

○

راہِ وفا کچھ ایسی تو دشوار بھی نہیں
لیکن رہے خیال کہ ہموار بھی نہیں

سب زندگی کو کہتے ہیں اک دردِ سر، مگر
مرنے کے واسطے کوئی تیّار بھی نہیں

ظالم خزاں نے لوٹ لی گُلزار کی بہار
پھول اِک طرف یہاں تو کوئی خار بھی نہیں

کل تک جو لوگ رہتے تھے زلفوں کے سائے میں
آج اُن کے سر پہ سایۂ دیوار بھی نہیں

قیمت کبھی تھی عشق و محبّت کی جان و دِل
اب کوئی اِس کا مُفت خریدار بھی نہیں

ہم بھی شریکِ غم ہیں یہ کہتے ہیں یوں تو دوست
ساتھ اپنا کوئی دینے کو تیار بھی نہیں

لائے ہیں اپنے خون سے جس باغ میں بہار
اب اُس کے ایک خار کے حقدار بھی نہیں

جو تیری مست نظروں سے پیتا ہو صبح و شام
وہ پارسا نہیں ہے تو مے خوار بھی نہیں

چھوڑا ہے میں یہ لاش جِگرؔ کی نہ ہو کہیں
ماتم کو پاس ایک عزادار بھی نہیں

غم نہیں جو سُنتا ہوں پھبتیاں زمانے کی
لذّتیں اُٹھاتا ہُوں مَیں ہی دِل لگانے کی

تم یہ چاند سا مُکھڑا لے کے کِس دن آؤ گے
دُور ہو گی تاریکی کب غریب خانے کی

کاٹ کر زباں میری ہونٹ سی دِئے اُس نے
داد یہ ملی مجھ کو حالِ دِل سُنانے کی

ساتھ دِل اُڑانے کے ہوش بھی اُڑاتے ہو
کِس سے یہ ادا سیکھی تم نے مسکرانے کی

بجلیوں کی یورش ہے، آندھیوں کی شورش ہے
ہم نے بھی تو رکھی ہے طرح آشیانے کی

خاک تو صلہ دے گا بے وفاؤں کا
جب خبر نہیں تجھ کو کیا بدی ہے کیا نیکی
خاک ہو کر اٹھوں گا تیرے آستانے سے
بیٹھا ہوں قسم کھا کر تیرے آستانے کی
لے گیا جو دِل کوئی اِس کا غم نہیں مجھ کو
فکر ہے جگؔر اب تو جان کو بچانے کی

○

غم سے گھبرا کے جو لوگ آہ و بکا کرتے ہیں
عشق کے نام کو بد نام کیا کرتے ہیں

ہم سبق جینے کا پھولوں سے لیا کرتے ہیں
چاک سینے ہیں مگر شاد رہا کرتے ہیں

حسن تیرا تو ہے بے داغ، خدا جانے یہ لوگ
چاند سے کیوں تجھے تشبیہ دیا کرتے ہیں

زندگی اپنی رہی تو یہ بتا دیں گے تجھے
پیار یوں ہوتا ہے، یوں پیار کیا کرتے ہیں

تیرے آنے سے کھلے کیوں نہ مرے دل کا کنول
جب بہار آتی ہے تو پھول کھلا کرتے ہیں

باغِ ہستی میں غریبوں کو نہ ملنے والے
خشک پتّوں کی طرح توڑ دیا کرتے ہیں
آپ کے رُوئے منوّر پہ فدا کیوں نہ ہو دل
شمع پر شوق سے پروانے مٹا کرتے ہیں
پھول میں، چاند میں، بجلی میں، ستارے میں تجھکو
ہم جہاں چاہیں اُسے دیکھ لیا کرتے ہیں

ہم عبث نالۂ شبگیر لیئے پھرتے ہیں
جو خطا ہوتا ہے وہ تیر لیئے پھرتے ہیں

قتل کرنے کو مجھے ایک ادا کافی ہے
آپ کیوں ہاتھ میں شمشیر لیئے پھرتے ہیں

جس طرح لاش اُٹھائے ہوئے پھرتا ہو کوئی
اس طرح ہم دلِ دلگیر لیئے پھرتے ہیں

حُسن والوں کو بھی جینے نہیں دیتے یہ لوگ
شمع کے قتل کو گُلگیر لیئے پھرتے ہیں

شبِ فرقت کے اندھیرے دِل کا اثر کیا ہم پر
ہم تری یاد کی تنویر لیئے پھرتے ہیں

دِل سے جانے نہیں دیتے جگر اُس زلف کا دھیان
ساتھ دیوانے کے زنجیر لیئے پھرتے ہیں

○

آدمی مجبور ہوتا ہے قضا کے سامنے
بُلبلہ پانی کا کیا ٹھہرے ہوا کے سامنے

عُمر بھر تو ہم بُتوں کی بندگی کرتے رہے
کون سا مُنہ لے کے جائیں اب خُدا کے سامنے

مے کا اک قطرہ ہے اب نایاب مے کش کے لئے
ساغر و مینا پڑے ہیں پارسا کے سامنے

وہ ہماری آہ پر کیونکر نہ ہوتے اور تیز
آگ کا شعلہ بھڑکتا ہے ہوا کے سامنے

جھُومنا دِل کا تِری زلفِ سیہ کو دیکھ کر
رقص ہے طاؤس کا کالی گھٹا کے سامنے

پار کشتی کو خُدا ہی نے لگایا تھا، مگر
ہم تو دانستہ رہے چُپ ناخُدا کے سامنے

کون اُٹھتا ہے تِرے کوچے سے پہلے دیکھئے
آج بیٹھا ہے جگر اک نقشِ پا کے سامنے

الٰہی تو اگر مجھ کو دِلِ بے مدّعا دیتا
تو کیوں بن کر سوالی مَیں ہر اک در پہ صدا دیتا
بٹھایا تھا جب اُس نے بزم میں کم بخت غیروں کو
تو اے دردِ جگر تُو ہی مجھے اُٹھ کر اُٹھا دیتا
خبر کیا تھی چراغِ آرزو مجھ کو جلا دے گا
مَیں اِس کو ورنہ لَو دینے سے پہلے ہی بُجھا دیتا
مری ہستی سے وابستہ تھی رونق اُس کی محفل کی
نہ بُھول ہوتا تو وہ اب تک جگر مجھ کو مٹا دیتا

نظمیات

بانسری والا

(شری کرشن جی مہاراج کے حضور میں)

سُنا دے بانسری کی دُھن سُنا دے
دِلوں میں پریم کی گنگا بہا دے
بھڑک ہر دِل میں بن کر شعلۂ عشق
نفاق و بُغض کے خِرمن جلا دے
بڑی مدّت سے ہم بھٹکے ہوئے ہیں
ہمیں اب جادۂ منزل دِکھا دے
بہت اب سو چکی قسمت وطن کی
جگا دے تُو اِسے آ کر جگا دے
امر ارجن کو جس نے کر دِیا تھا
وہی اپدیش ہم کو بھی سُنا دے
جہاں میں کر کے روشن شمعِ ایماں
جہاں سے کُفر کی ظلمت مِٹا دے
جگرؔ کے دِل میں بھی اک آرزو ہے
اُسے بھی جلوۂ تاباں دکھا دے

گورو نانک دیو
عقیدت کے پھول

(یہ نظم گورو نانک دیو جی مہاراج کی پانچ سو سالہ جنم شتابدی پر کہی گئی تھی)

پانچ سو سالہ ترے یوم ولادت پہ گورو
جمع ہیں اہلِ جہاں جشن منانے کے لئے
اِسی موقع پہ ترا ادنیٰ پرستارِ جگر
پھول لایا ہے عقیدت کے چڑھانے کے لئے

تُو وہ ذرّہ تھا عیاں جس سے تھی سورج کی ضیا
تُو وہ قطرہ تھا عیاں جس سے تھی دریا کی ادا
سچ ہی کہتے تھے "ولی" تجھ کو زمانے والے
تیرے چہرے سے ٹپکتا تھا سدا نورِ خدا

"سب برابر ہیں" یہ دنیا کو سکھایا تُو نے
جذبۂ تفریق کا ہر دِل سے مِٹایا تُو نے
سینۂ دہر میں اُلفت کے شرارے بھر کر
خرمنِ نفرت و کینہ کو جلایا تُو نے

جامِ توحید زمانے کو پلایا تُو نے
سرمدِ مست ہر اک دِل کو بنایا تُو نے
"ایک اونکار" کا اُپدیش جہاں کو دے کر
تفرقہ مذہب و مِلّت کا مٹایا تُو نے

سینۂ دہر میں دِل بن کے دھڑکتا تھا تُو
دیدۂ دہر میں ضَو بن کے چمکتا تھا تُو
تُو لہو بن کے رواں رہتا تھا ہر اک رگ میں
ہر گلِ رُوح میں بُو بن کے مہکتا تھا تُو

ہندوؤں میں تھا نہ تنہا نہ مسلمانوں میں
ترا مذکور تھا ہر قوم کے انسانوں میں
مندروں ہی میں نہ تھی صرف ترے نام کی دھن
گونجتی تھی، تری آواز اذاں خانوں میں

او غلط راہ سے دُنیا کو ہٹانے والے
بھولے بھٹکوں کو رہِ راست پہ لانے والے
دامِ آلام و مصائب میں گرفتار ہیں سب
یاد کرتے ہیں تجھے آج زمانے والے

دِل گرفتہ ہے اسے شاد و غزلخواں کر دے
خونِ جگر غم ہے اِسے شاداں و خنداں کر دے
تِرا بندہ، تِرا خادم، تِرا شیدائی ہے
مشکلیں جتنی جگر پر ہیں سب آساں کر دے

کلغی والا

(گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کو خراجِ عقیدت)

راحتِ قلب کا سامان تھا کلغی والا
اور ہر درد کا درمان تھا کلغی والا
خوبیاں اُس میں فرشتوں سے بھی بڑھ کر تھیں نہاں
دیکھنے میں تو اک انسان تھا کلغی والا
اُس کے بس میں تھی ہر اک عظمت و حشمت کی پری
عہد کا اپنے سلیمان تھا کلغی والا
بُلبلے کی طرح ایک ایک کے سر کو توڑا
ظالموں کے لئے طوفان تھا کلغی والا
دلیش کا نام کیا اُس نے زمانے بھر میں
دلیش کی شان تھا اور آن تھا کلغی والا
جتنے افسانے تھے اُس دور میں جانبازی کے
سارے افسانوں کا عُنوان تھا کلغی والا

سر جُھکا دیتے تھے سب شوق سے اُس کے آگے
قوم کا اپنی نگہبان تھا کلغی والا
جھولیاں اپنے مریدوں کی وہ بھر دیتا تھا
دُرِّ مقصود کی اک کان تھا کلغی والا
ناز کرتے تھے فقط اُس پہ نہ ہندو تنہا
اہلِ ایماں کا بھی قُرآن تھا کلغی والا
کلغی والے کے غلاموں کے بھی سلطاں تھے غلام
اور سلطانوں کا سلطان تھا کلغی والا
جس نے سر دے کے کیا قوم کے سر کو اونچا
اُس گورو تیغ کی سنتان تھا کلغی والا
کیوں نہ چمکے یہ زمانے میں ثریّا بن کر
جگرؔ اِس نظم کا عُنوان ہے کلغی والا

قومی یکجہتی

اُٹھو اے ہندوالو چھوڑ دو اس خوابِ غفلت کو
نہ کھو دینا کہیں تم ہاتھ سے دیرینہ عظمت کو
بناؤ راہ بر اپنا بصیرت کو شجاعت کو
خوشی سے جان پر جھیلو ہر اک مشکل کو آفت کو
نہیں اب وقت سونے کا اُٹھو بیدار ہو جاؤ
عدُو کے واسطے چلتی ہوئی تلوار ہو جاؤ

رہو آپس میں مِل جُل کر محبت سے مروّت سے
کرو تسخیر عالم کو تم اپنی نیک خصلت سے
کدُورت کو بدل ڈالو خیالِ مہر و الفت سے
مٹا دو امتیازِ دین و مِلّت کو اخوّت سے
تمیزِ ادنےٰ و اعلےٰ نہ تم پیدا کرو دِل میں
ہمیشہ مہر و انجم رہتے ہیں سب ایک محفل میں

وطن کے بچے بچے تک یہی پیغام پہنچاؤ
ہر اک انسان کو انسانیت کی راہ پر لاؤ
ہر اک سینے میں دِل بن کر جگر بن کر سماجاؤ
ترانے باہمی اُلفت کے ہر اک بزم میں گاؤ
منوّر شمعِ اُلفت سے اگر ہر ایک کا دِل ہو
فلک سے توڑ کر تارے بھی لانا پھر نہ مشکل ہو
نہ ہندو ہو نہ مُسلم ہو نہ سِکھ ہو تم نہ عیسائی
نہ پنجابی نہ بنگالی نہ آسامی نہ گجراتی
مراٹھی ہو نہ کشمیری بہاری ہو نہ مدراسی
وطن ہندوستاں ہے اور تم ہو سب کے سب ہندی
مِٹادو مذہب و مِلّت کے جھگڑے اے وطن والو
تم اب تسبیح کے دانوں کی صُورت ایک ہو جاؤ
یہ جھگڑے دین و ایماں کے مٹادو ایک ہو جاؤ
اخوّت ہی کو اپنا دین اور ایماں اگر سمجھو
اگر شاہ و گدا کا تفرقہ دِل سے مٹا ڈالو
اگر تم آج ہی سے مِل کے رہنے کی قسم کھالو
ہر اک دِل میں مروّت ہو محبّت ہو شرافت ہو
تو پھر ہندوستاں کا کو نہ کو نہ رشکِ جنّت ہو

ہندی نوجواں سے

ہند کے نوجواں اب آگے چل
اور دشمن کے سب نکال دے بل
پھونک دے اُس کو بن کے برقِ تپاں
اُس کا باقی رہے نہ نام و نشاں
صفحۂ تن پہ کھینچ تیغ سے خط
کاٹ دے اُس کو مثلِ حرفِ غلط
اُس کے سر کو تو کر دے تن سے جُدا
نقشِ باطل سمجھ کے اُس کو مِٹا
بزمِ ہستی سے تو اُٹھا اُس کو
نیشکر کی طرح چبا اُس کو
تیرے آگے نہیں کچھ اُس کا وجُود
تُو ہے اک شعلہ اور وہ بارُود

تُو تلاطم ہے اور وہ کشتی
وہ ہے قندیل اور تُو آندھی
سامنے تیرے کیا وہ مارے دم
تُو ہے خورشید اور وہ شبنم
برق سے تیز ہے تری رفتار
تیری طاقت پہ ہے عدو بھی نثار
تیری ہمت کا معترف ہے جہاں
سب پہ تیری بہادری ہے عیاں
مادرِ ہند کی بھی ہے پکار
جان اپنی وطن پہ کر دے نثار

ہند سے خطاب

آفریں اے ہند! تجھ پر آفریں
کوئی دنیا میں ترا ثانی نہیں
تیرا ہر اک نوجواں جانباز ہے
موجبِ صد افتخار و ناز ہے
کیوں نہ ہو دنیا ترے زیرِ نگیں
زر اُگلتی ہے تری یہ سرزمیں
تیرے ذرّے غیرتِ ماہ و نجوم
تیرے جلووں کی زمانے بھر میں دھوم
اے وطن تو ہے وہ گنجِ بے بہا
جس میں ہیں لاکھوں جواہر خوشنما

اللہ اللہ تیرے باغوں کی بہار
گُلشنِ فردوس بھی ہے شرمسار
کوہ تیرے کس قدر ہیں پُر وقار
عرش بھی ہے جن کی رفعت پر نثار
اے وطن تُو مثلِ رخشِ تیز گام
منزلیں طے کر رہا ہے صبح و شام
تیرے دریاؤں میں آبِ زندگی
پانی پانی کوثر و تسنیم بھی
اے پرستش گاہِ عالم زندہ باد
اے مِرے پیارے وطن پائندہ باد

جذبۂ حُبّ الوطنی

اے مرے دوست اے رفیق مرے
زندگی وقف کر وطن کے لئے
قیمتی وقت کھو رہا ہے کیوں
خوابِ غفلت میں سو رہا ہے کیوں
دیکھ اِک شخص آیا ہے وطن میں عدو
ہے وہ بد ذوق، بد چلن، بد خو
چھوڑ جام و شراب کی باتیں
چھوڑ چنگ و رباب کی باتیں
عشق و اُلفت کے بھول جا قصّے
رہنے دے اب نہ یہ سُنا قصّے
چھوڑ دے بزمِ عیش میں جانا
توڑ دے جام اور پیمانا
مُطربہ کو نکال دے دِل سے
رکھ تعلّق نہ اُس کی پائل سے

چھوڑ دے پیرہن کی زیبائش
کر خدنگ و تبر کی آرائش
ہوش تجھ کو نہ تن نہ من کا ہو
دھیان ہو دِل میں تو وطن کا ہو
رن میں چل ساتھ لے کے تیغ و سناں
خون کی ندّیاں بہا دے وہاں
ہے عدو تیرے خون کا پیاسا
آب خنجر سے پیاس اُس کی بجھا
رن میں تو چیرہ دستیاں وہ دِکھا
آسمان و زمیں کا فرق مِٹا
تُو ہے وہ جاں نثار وہ جاں باز
مادرِ ہند کو ہے جس پر ناز
تُو نے اب اُس کی آن رکھنی ہے
جان دے کر بھی شان رکھنی ہے
اُٹھ کمر باندھ اور اُٹھا خنجر
ٹوٹ پڑ شیر بن کے دشمن پر

ہے وہ کیا اور اُس کی ہستی کیا
بُلبلہ ہے وہ ایک پانی کا
وہ ہے بُزِ اور تُو ہے شیرِ ژیاں
تجھ سے لڑنے کی اُس میں تاب کہاں
زندہ رہنے کی آرزو ہے اگر
پی شہادت کا جام ہنس ہنس کر
کیوں ہے لرزاں تُو خوف کے مارے
بیٹھا کیوں ہے تُو حوصلہ ہارے
کیا تجھے خوفِ زندگانی ہے؟
مانعِ جنگ عُمرِ فانی ہے؟
جسمِ خاکی کا کر رہا ہے خیال؟
اِس کا رہنا تو ہر طرح ہے محال
روح ہے اصل میں تری ہستی
وہ مٹانے سے مٹ نہیں سکتی
آگ اُس کو جلا نہیں سکتی
اُس کو آندھی اُڑا نہیں سکتی

اس کو دریا بہا نہیں سکتا
کاٹ سکتا نہیں اُسے لوہا
کیوں گنواتا ہے سطوت و شوکت
مدّتوں سے بنی ہوئی عظمت
فکرِ سُود و زیاں کو دِل سے نکال
کر وطن پر نثار جان و مال
تا قیامت رہے گا تیرا نام
تُو اگر آئے گا وطن کے کام
رائگاں جائے گا نہ مرجانا
ہوگا ہر لب پہ تیرا افسانا
ذکر ہوگا ہر ایک محفل میں
یاد ہوگی تری ہر اک دِل میں
بن نہ نادان کر نہ قیل و قال
یہ پکڑ تیغ اور یہ لے ڈھال
ہے خُدا سے یہی دعائے جگر
رن سے آئے تُو کامراں ہوکر

تولیدِ پسر پر

اے مرے باغِ زندگی کی بہار
دل فدا تجھ پہ جان تجھ پہ نثار
اپنی ماں کی تو آنکھ کا تارا
اور اُس کو ہے جان سے پیارا
لوری دے کر تجھے سُلاتی ہے
اور جُھولا تجھے جُھلاتی ہے
تجھ کو سَو سَو دعائیں دیتی ہے
آپ سَو سَو بلائیں لیتی ہے
کِس قدر پیاری تیری صُورت ہے
ایک من موہنی سی مُورت ہے
تجھ سے ہر ایک پیار کرتا ہے
اور پھر بار بار کرتا ہے

کوئی کہتا ہے تجھ کو مہ پارا
کوئی کہتا ہے آنکھ کا تارا
ایک کہتا ہے تجھ کو رشکِ قمر
دوسرا کہہ رہا ہے نُورِ نظر
کوئی کہتا ہے آ اُٹھا لُوں تجھے
اپنے سینے سے مَیں لگا لُوں تجھے
چشمِ بد بیں سے مَیں بچا لُوں تجھے
گوشۂ دل میں آ چھپا لُوں تجھے
تُو بزرگوں کی ہے دُعا کا صِلا
جو خُداوند نے مجھے بخشا
تیرے حق میں ہے یہ دعائے جگر
تُو بنے پیل تن جواں ہو کر
تُو بنے اپنے عہد کا رُستم
تیرے آگے نہ مارے کوئی دم
اور میری دعا یہ ہے اے لال!
تُو سلامت رہے ہزاروں سال

ہندی سپاہی

اے سپاہی ہند کے تیری شجاعت کو سلام
تیری ہمت، تیری جرأت، تیری طاقت کو سلام
نیست و نابود جس نے دشمنوں کو کر دیا
تیرے دِل کے شعلۂ عشق و محبت کو سلام
ڈال دیں تُو نے کمندیں اپنی ہفت افلاک پر
تیری عظمت، تیری حشمت، تیری رِفعت کو سلام
تیرا مذہب قوم ہے تیری عبادت قوم ہے
تیرے اِس مذہب کو تیری اِس عبادت کو سلام
مشکلیں کیا کیا سہی ہیں تُو نے اپنی جان پر
تیری ہمت، تیری عظمت، تیری جرأت کو سلام

شوق سے آزادیِ ہندوستاں پر جان دی
تیری اس دیوانگی کو اس عقیدت کو سلام
ایک اپنی جان دے کر جانِ دُنیا بن گیا
تیری اس دانشوری کو تیری حکمت کو سلام
بعد مرنے کے حیاتِ جاوداں تجھ کو ملی
ساری دُنیا کر رہی ہے تیری تُربت کو سلام
جاں نثار ایسے زمینِ ہند سے پیدا کئے
یا الٰہی تیری قدرت تیری صنعت کو سلام

اے شہیدانِ وطن

اے شہیدانِ وطن اے سرفروشانِ وطن
تم نے اپنے خون سے سینچا گلستانِ وطن
ہے تمہارے فیض سے رنگیں خیابانِ وطن
جان دے کر بن گئے تم جان وایمان وطن
اے شہیدانِ وطن اے سرفروشانِ وطن
سرزمینِ ہند کو تم نے بنایا آسماں
ذرّے ذرّے میں ہیں مہر و ماہ کی تابانیاں
کونے کونے کو بنایا غیرتِ باغِ جناں
پھولتا پھلتا رہے گا حشر تک یہ گلستاں
اے شہیدانِ وطن اے سرفروشانِ وطن

تیز آندھی کی طرح رن میں اٹھا کرتے تھے تم
برقِ سوزاں بن کے دشمن پر گرا کرتے تھے تم
موجِ دریا کی طرح ہر سُو چلا کرتے تھے تم
وقت کی مانند ہر جانب بڑھا کرتے تھے تم
اے شہیدانِ وطن اے سرفروشانِ وطن

شمعِ آزادی پہ مِٹنے والے پروانے تھے تم
بادۂ ایثار سے بھرپور پیمانے تھے تم
دیش پر مرنے کو عمرِ جاوداں جانے تھے تم
جن پہ فرزانوں کو رشک آئے وہ دیوانے تھے تم
اے شہیدانِ وطن اے سرفروشانِ وطن

یہ قسم کھاتے ہیں مِل کر آج ہندی نوجواں
لاکھ ٹوٹیں بجلیاں یا لاکھ اُٹھیں آندھیاں
بے شک آپس میں اُلجھ جائیں زمین و آسماں
کم نہ ہونے دیں گے باغِ ہند کی رنگینیاں
اے شہیدانِ وطن اے سرفروشانِ وطن

بڑھے چلو بہادرو — بڑھے چلو بہادرو

کفن سروں پہ باندھ کر
ہتھیلیوں پہ رکھ کے سر
پہاڑیوں کو کر کے سر
سمندروں کو پھاند کر
بڑھے چلو بہادرو۔ بڑھے چلو بہادرو

اُٹھا کے تیغِ تیز تر
کمر پہ باندھ کر سپر
پہنچ کے ہر محاذ پر
عدو کے بل نکال کر
بڑھے چلو بہادرو۔ بڑھے چلو بہادرو

مٹا کے ظُلم کا نشاں
اُڑا کر اُس کی دھجیاں
گِرا کر اُس پہ بجلیاں
جلا کر اُس کا آشیاں

بڑھے چلو بہادرو۔ بڑھے چلو بہادرو

خُدا کا تم پہ ہاتھ ہے
خُدا تمہارے ساتھ ہے
وطن تمہارے ساتھ ہے
وجے تمہارے ہاتھ ہے

بڑھے چلو بہادرو۔ بڑھے چلو بہادرو

خیر مقدم

(ایک مہرباں دوست کی آمد پر)

خوشا قسمت ہمارے ہاں جو تم اے مہرباں آئے
زمیں نے پاؤں چُومے آسماں نے پھول برسائے
تمہارے آنے سے ہر اک خوشی اے مہرباں آئی
گلستانِ محبت میں بہارِ جاوداں آئی
تمہاری جلوہ فرمائی محبّت کی نشانی ہے
نوازش ہے، عنایت ہے، کرم ہے، مہربانی ہے
خوشی سے ہو رہے ہیں اہلِ خانہ جامے سے باہر
خوشی ہے جاگزیں دِل میں خوشی کے گیت ہیں لب پر
کِیا ہے تم نے خوب آغاز اُلفت کی کہانی کا
کریں ہم کس زباں سے شکریہ اس مہربانی کا
تمہارے واسطے حاضر ہے جو بہتر سے بہتر ہے
ہماری جان ہے، دِل ہے، جگر ہے، سینہ ہے، سر ہے
تمنّا ہے کہ یہ آغاز خوش انجام ہو جائے
دُعا یہ ہے کہ ساکن گردشِ ایّام ہو جائے

ماتمِ نہرو

کشتیِ ہندوستاں اب ہے خدا حافظ ترا
ناخدا تیرا جواہر لال نہرو چل بسا
پیکرِ مہر و وفا تھا پیکرِ امن و اماں
کر رہے ہیں جس کا ماتم ہند کے پیر و جواں
قوم کا اک پاسباں تھا قوم کا تھا رہنما
قوم کی خاطر جیا وہ قوم کی خاطر مرا
اُس کے جانے سے وطن برباد سارا ہو گیا
اپنی قسمت سو گئی اپنا مقدّر سو گیا
اِس طرح ویراں نظر آتا ہے اب ہندوستاں
فصلِ گُل کے بعد اُجڑ جاتا ہے جیسے بوستاں

لے کے ہر اک دل میں سینے میں جگر میں غم کا داغ
جل رہا ہے سر سے لے کر پاؤں تک مثلِ چراغ
ادنیٰ واعلیٰ کے لب پر ہے جواہر اُٹھ گیا
کاروانِ ہند کا افسوس رہبر اُٹھ گیا
قوم پر مٹنا کبھی جاتا نہیں ہے رائگاں
چھا گیا ہے ساری دنیا پر وہ بن کر آسماں
گو ہزاروں لعل اُگلے گی وطن کی سرزمیں
لعل نہرو سا مگر پیدا وہ کر سکتی نہیں

لال بہادر شاستری کی موت پر

چل دیا تو اے بہادر چھوڑ کر بزمِ جہاں
کر رہے ہیں تیرا ماتم ہند کے پیر و جواں
انجمن ایسی کوئی دیکھی نہیں ہم نے کہیں
جس میں تیری مرگِ بے ہنگام کا چرچا نہیں
کوئی اشک افشاں ہے تیری موت پر فوارہ وار
کوئی اپنے پیرہن کو کر رہا ہے تار تار
تیرے غم میں سوکھ کر ہر پھول کانٹا ہو گیا
تو وہ گل تھا جس کے جانے سے چمن صحرا ہوا
بلبلیں تیری جدائی میں رہیں گی بے قرار
پھول اپنا پیرہن کرتے رہیں گے تار تار

تیری صورت کے لئے تڑپا کریں گی بجلیاں
تجھ کو ڈھونڈیں گی بیابانوں میں ہر سُو آندھیاں
عُمر بھر جلتا رہے گا تیرے غم میں آفتاب
عُمر بھر رویا کرے گا تیرے ماتم میں سحاب
جُستجو میں حشر تک اُڑتے رہیں گے خار و خس
دشت و صحرا میں پکارے گی تجھے بانگِ جرس
حشر تک ہر لب پہ ہو گی تیرے مرجانے کی بات
تیرے ماتم میں رہے گی حشر تک یہ کائنات
مرنے والے تجھ میں پنہاں تھیں ہزاروں خوبیاں
بھول سکتا ہی نہیں تجھ کو کبھی ہندوستاں

قبلہ جوشؔ ملسیانی کی وفات پر

دل کے سو ٹکڑے ہوئے سینے پہ خنجر چل گئے
جب سُنا میں نے کہ قبلہ جوشؔ صاحب چل بسے
میرے سینے میں ہے اُن کی دائمی فرقت کا داغ
جل رہا ہوں سر سے لے کر پاؤں تک مثلِ چراغ
اُن کی عظمت کا تھا قائل اک جہانِ شاعری
سب بجا کہتے تھے اُن کو آسمانِ شاعری
داد کے قابل ہے اُن کی داستانِ شاعری
مجھ سے ناداں کو بنایا نکتہ دانِ شاعری

ہے زباں دانوں میں اتنا اُن کے فن کا احترام
پیش کرتے ہیں سند کے واسطے اُن کا کلام
اُن کو ڈھونڈیں گے بگولے ہو کے سرگرداں مدام
خُون روئے گی شفق نام اُن کا لے کر صبح و شام
بجلیاں تڑپا کریں گی اُن کی صُورت کے لئے
بدلیاں رویا کریں گی اُن کی صُورت کے لئے
صبر کر اب اے جگر روک آنسوؤں کی ندیاں
ڈوب کر رہ جائیں گے ورنہ زمین و آسماں

شاعر اور بے نیازیِ زمانہ

اپنی خصلت کو بدل ڈالیں زمانے والے
ورنہ ملنے کے نہیں شعر سنانے والے

اے خدا تو ہی بتا یہ ہے کہاں کا انصاف
روئیں خود ساری خدائی کو ہنسانے والے

جان لیوا ہیں انھیں کے جنھیں کرتے ہیں وہ پیار
بے مروّت بڑے ہوتے ہیں زمانے والے

کتنا افسوس ہے کانٹے کے بھی حقدار نہیں
خونِ دل سے چمنِ دہر سجانے والے

غرقِ دریا ہوئے آزارِ زمانہ کے سبب
عرشِ بالا پہ زمانے کو بٹھانے والے

رنگ لائے گی ضرور آہ سخن دانوں کی
خود بھی روئیں گے لہو اِن کو رلانے والے

روش ایسی ہی اگر رکھی زمانے نے جگر
ہم بھی کچھ روز میں دنیا سے ہیں جانے والے

قطعات

شمع پر مٹ رہے ہیں پروانے
بلبلیں بھی مٹیں چمن کے لئے
نوجوانو! اِسی طرح تُم بھی
مِٹ سکو تو مِٹو وطن کے لئے

رانا پرتاپ ہے ہر مرد یہاں
رانی جھانسی ہے یہاں ہر عورت
جانبِ ہند اُٹھائے جو نظر
کِس کا یہ دل ہے یہ کِس کی ہمّت

اِس حقیقت کی خبر کس کو نہیں
ہند کا ہر نوجواں ہے جاں نثار
شمعِ آزادی پہ مٹنے کے لئے
ہر گھڑی تیّار ہے پروانہ وار

مادرِ ہند قسم کھاتے ہیں ہم سب مِل کر
کسی صورت کبھی تِری آن نہ جانے دیں گے
جان جانے کے لئے ہوتی ہے اِس کا کیا ہے
جان دے دیں گے تِری شان نہ جانے دیں گے

جگرؔ ایثار و قربانی کا دریا ایسا دریا ہے
جو اِس میں ڈوب جائے اُس کا بیڑا پار ہو جائے
شہیدوں کے مزاروں سے مَیں جب گُزرا صدا آئی
"جسے جینا ہو مرنے کے لئے تیّار ہو جائے"

حُسن ہے، عشق ہے، جوانی ہے
مست ہیں سب یہاں جوان و پیر
حور و جنّت کو بھول جائے شیخ
دیکھ لے وہ اگر کبھی کشمیر

ہے فرشتے سے سوا ہر نوجواں پنجاب کا
حُور سے بڑھ کر ہے ہر اک نازنیں پنجاب کی
اِس کے ہر اک ذرّے میں ہے چاند تاروں کی چمک
آسماں سے کم نہیں ہے سرزمیں پنجاب کی

یہ آج پُوج رہے ہیں جنھیں جہاں والے
یہی رہے ہیں شکارِ جفا و جورِ جہاں
کفن پہ پھولوں کی چادر کو دیکھنے والو
کفن کے نیچے بھی دیکھے ہیں پتّھروں کے نشاں؟

شہید اودھم سنگھ کی استھیوں پر چادرِ گُل دیکھ کر
یہ قطعہ کہا گیا تھا۔ (جگر جالندھری)

دُختِ رز کی جو قدر کرتے ہیں
یہ بھی تو اُن کا نام لیتی ہے
ہاں جو اِس کو خراب کرتے ہیں
اُن سے خوب اِنتقام لیتی ہے

ہر دِل میں گھر بنا لیا کافر شراب نے
اِس دَور میں خُدا کو کوئی مانتا نہیں
واقِف شراب خانے کے رستے سے تو ہیں لوگ
مسجد کا پوچھیے تو کوئی جانتا نہیں

خزاں کا دَور بھی کیا دَور ہے رند اپنے ہاتھوں سے
نہ کوئی کام کرتے ہیں نہ کوئی کام لیتے ہیں
بہار آئی تو بے کاروں کا کوئی مشغلہ ٹھہرا
کِسی کو جام دیتے ہیں کِسی سے جام لیتے ہیں

رنگ و بُو ہی رنگ و بُو ہے جس طرف بھی دیکھیے
ہر کلی پر ہے تبسّم، پھُول ہر اک شاد ہے
ہم صفیرو! آ گئی ہے پھر گلستاں میں بہار
ہر زباں پر آج پھر شورِ مبارک باد ہے

ہوا مایوس جب انسان دُنیا کے سہاروں سے
اُسے پھر غیب سے کوئی سہارا مِل ہی جاتا ہے
ہجُومِ کُفر نے جس وقت گھیرا اہلِ ایماں کو
بچانے کو کوئی اللہ کا پیارا مِل ہی جاتا ہے

جو ہے شیطاں اُسے کہتی ہے فرشتا دُنیا
جو ہے قاتل اُسے کہتی ہے مسیحا دُنیا
اپنے مطلب کے لیئے اپنی غرض کی خاطر
ناسمجھ بندے کو بھی کہتی ہے مولا دُنیا

اپنی تقدیر پہ مغرور نہ ہو اے ناداں
وقت کے ہاتھ میں تقدیر ہے انسانوں کی
کل گُل و سرو کے سائے ہیں جنھیں دیکھا تھا
آج وہ چھانتے ہیں خاک بیابانوں کی

حقیقتاً جگرؔ اِن میں کوئی نہیں تیرا
یہ جتنے تجھ سے محبّت جتانے والے ہیں
بدل تُو بھیس فقیروں کا اور پھر یہ دیکھ
کہ اِن میں کتنے ترے کام آنے والے ہیں

کوئی کہنے کو تو کہتا پھرے خود کو جواں، لیکن
بڑھاپے میں جگرؔ رہتی نہیں گرمی جوانی کی
بدن انسان کا اِس عہد میں شل ہو ہی جاتا ہے
بہت سردی پڑے تو برف بن جاتا ہے پانی بھی

ساقی سے ناطہ توڑا، منہ میکدے سے موڑا
مٹکے کو پھوڑ ڈالا، پیمانہ توڑ ڈالا
جب سے ہوئی ہے یاری، اک مدھ بھری نظر سے
اُس دن سے ہم نے سب سے، یارانہ توڑ ڈالا

مجھ کو آجاتا ہے فوراً تیری زلفوں کا خیال
آسماں پر دیکھتا ہوں جب گھٹا برسات کی
کچھ خبر بھی ہے تجھے اے بے خبر تیرے بغیر
تیر برساتی ہے سینے پر ہوا برسات کی

جلنے جی اُمید اس سے نہ رکھ دادِ سخن کی
کر یاد تو فردوسی و غالب کا زمانہ
ملنے کا نہیں کچھ بھی جگر مرنے سے پہلے
اے دوست! یہ ہے مُردہ پرستوں کا زمانہ

زمانہ کی مُردہ پرستی سے متاثر ہو کر کہا گیا۔

اگر ہے واقعی تجھ میں کوئی جوہر کوئی خوبی
مثالِ نقشِ پا پھر اک جگہ کیوں جم کے بیٹھا ہے
بلندی کی طرف بڑھنا ہے فطرت اہلِ جوہر کی
تہِ دریا سے گوہر تاجِ شاہی تک پہنچتا ہے

(بشکریہ آل انڈیا ریڈیو جالندھر)

ہو گا بدنام بہت کوچوں میں بازاروں میں
ذکرِ بد شام و سحر ہو گا ترا یاروں میں
جگرؔ اِس دور میں مقبول اگر ہونا ہے
مان کہنا مرا شامل نہ ہو خودداروں میں

کون سنتا ہے صاف گوئی کو
صاف گوئی سے کر لے توبہ جگرؔ
ورنہ منصور کی طرح اک دن
تجھ کو چڑھنا پڑے گا سُولی پر

دامِ تدبیرِ دہر میں آخر
ہم نے ہر اک کو آتے دیکھا ہے
پھول بھی جو اُٹھا نہ سکتے تھے
اُن کو پتھر اُٹھاتے دیکھا ہے

منظور جب نہیں ہے مرا حال پوچھنا
کیوں مجھ کو رہنے دیتے نہیں میرے حال میں
ترکِ تعلقات کا دعویٰ بھی اور پھر
آتے بھی رہتے ہو مرے خواب و خیال میں

نہ کوئی وضع ہے اِس کی نہ ہے اُصول کوئی
خُدا نے دِل کو بنایا ہے کیا عجیب و غریب
گُناہِ کردہ پہ پچھتا رہا ہے ایک طرف
گُناہ کرنے کی دیتا ہے اک طرف ترغیب

کس ذرّے میں صحرا کا نظارا نہیں ہوتا
کس قطرے میں دریا کا تماشا نہیں ہوتا
کس بندے میں اللہ کا جلوا نہیں ہوتا
ہوتا ہے، مگر دیکھنے والا نہیں ہوتا

کیوں ہو جنّت کی طلب کوچۂ دلدار کے بعد
ہیچ ہیں ساغر و مینا نگہِ یار کے بعد
مجھ کو اُس چاند سے مُکھڑے کی قسم ہے نہ پیوں
اگر امرت بھی مِلے شربتِ دیدار کے بعد

گُلبدن گلعذار کی باتیں
کسی رشکِ بہار کی باتیں
شعر وہ دل فریب ہوتا ہے
جس میں ہوں حُسنِ یار کی باتیں

چراغِ عمر پہنچنے کو ہے قریبِ سحر
زباں پہ ذکر ہے لیکن پری جمالوں کا
جنابِ شیخ! یہ عُمر اور یہ سیہ کاری
خیال کیجئے کچھ تو سفید بالوں کا

بے قراری ہے آہ و زاری ہے
چشمِ گریاں سے خون جاری ہے
صبح ہوتی نظر نہیں آتی
آج کی رات اِتنی بھاری ہے

سب حال مِرا دیکھ کے بڑھ جاتے ہیں آگے
رُک کر جو سُنے کوئی بھی ایسا نہیں مِلتا
مِلتے ہیں مجھے جاننے والے تو ہزاروں
لیکن کوئی پہچاننے والا نہیں مِلتا

دُعائیہ والوداعیہ

جب تک فلک پہ مہر و مہ و کہکشاں رہیں
جب تک زمیں کی گود میں دریا رواں رہیں
میری دِلی دُعا ہے کہ اُس وقت تک حضور
زندہ رہیں، جواں رہیں، شاد ماں رہیں

دُنیا میں جس مقام پہ اے مہرباں رہیں
نظروں کے سامنے کہ نظر سے نہاں رہیں
اِس سے غرض نہیں کہ یہاں یا وہاں رہیں
گُل کی طرح شگفتہ رہیں شادماں رہیں

دِن رات بے حساب ہو عیش و خوشی کی بات
دِن رات سے سوا ہو تو دن سے سوا ہو رات
میری دُعا ہے آپ کی ہو یوُں بسر حیات
ہر روز روزِ عید ہو ہر شب شبِ برات

اے دوست خوش رہے تُو شب و روز صبح و شام
پُوری ہوں زندگی میں تِری خواہشیں تمام
جس وقت بھی طلب ہو کسی چیز کی تجھے
وہ چیز تجھ کو پیش کرے وقت کا غُلام

متفرقات

اشکوں سے کبھی سوزِ جگر کم نہیں ہوتا
یہ آگ تو پانی سے بجھائی نہیں جاتی

○

بدلا مزاجِ یار مرے جذبِ شوق سے
پہلی سی وہ "نہیں نہیں" لب پر نہیں رہی

○

گردش میں رہ کے بھی کرو خدمت جہان کی
مے خانے میں یہ درس مِلا جام سے مجھے

○

بدل ڈالا ہے مجھ کو اِس قدر تیری جفاؤں نے
کہ اپنی شکل بھی اب مجھ سے پہچانی نہیں جاتی

○

ایمان کو جب کفر پہ ترجیح ملے گی
اُس وقت میں مانوں گا خُدا بھی ہے کوئی چیز

○

مِرے پہلو میں تو بیٹھے ترے پہلو میں مَیں بیٹھوں
دو اِک ایسے دن بھی آئیں چار دن کی زندگانی میں

ترک کر دی زندگی لیکن نہ کی ترکِ وفا
خاک ہو کر شمع کے قدموں میں پروانہ رہا

○

اے دِل نہ فکر کر، وہ تلوّن مزاج ہے
کل ہو رہے گا خوش جو خفا تجھ سے آج ہے

○

باطِل کو جب شکست ملی حق سے اے جگر
یہ ماننا پڑا کہ خُدا بھی ہے کوئی چیز

○

ہے یقیں مجھ کو وہ آئے گی ضرور آئے گی
مَوت کا آنا ہے یہ آپ کا آنا تو نہیں

○

جوانی میں بشر کو ٹھوکریں کھانی ہی پڑتی ہیں
اندھیری رات میں چلنا بڑا دشوار ہوتا ہے

○

تجھ کو کھا جائے گی شبِ فُرقت
تُو جو اے مَوت اِدھر نہیں آتی

اُف مری حسرت بھری نظروں نے یہ کیا کر دیا
وقتِ رخصت آنسوؤں سے اُن کا دامن بھر دیا

○

اوس کے قطرے نہیں یہ صحنِ گلشن میں جگر
صبح برساتی ہے آنسو پھول کے انجام پہ

○

کون سا دِل ہے جو محوِ غم نہیں
کون سی ہے آنکھ جو پُر نم نہیں

○

حضرتِ دل! جناب کو جب ہے خیالِ نام و ننگ
عشق پھر آپ کر چکے آپ سے عشق ہو چکا

○

جو وفادار و سعادت مند آتا ہے نظر
اُس بشر کو دیکھئے مطلب نکل جانے کے بعد

○

پھولوں پھلوں کو توڑ کے پتّوں کو جھاڑ کر
گلچیں نے رکھ دیا مرا گلشن اُجاڑ کر

کہتے ہیں زخمِ دِل کا کہیں بھی نہیں علاج
کیوں اے نگاہِ ناز تیرا کیا خیال ہے؟

○

بڑا چرچا ہے دنیا میں تری شانِ کریمی کا
حقیقت ہے کہ افسانہ خطائیں کر کے دیکھیں گے

○

وفا داری کا جب دعوےٰ کیا میں نے تو وہ بولے
"ہے اس میں اصلیت کتنی جفائیں کر کے دیکھیں گے"

○

جب ہزاروں ولولے تھے وہ تھے ہم سے بے نیاز
جب ہوئے وہ مہرباں دِل میں کوئی ارماں نہ تھا

○

چھڑک دے ہم پہ ذرا سا گُلال چہرے کا
خدا بلند کرے نام لال چہرے کا

○

چوری کیا تھا جلوہ اُس نے تری جبیں سے
کیونکر نہ داغ لگتا مہتاب کی جبیں پر

کچھ نرالی ہی تھی اُن کی آج طرزِ گفتگو
آپ سے وہ تُم پہ آئے تُم سے تُو کہنے لگے

○

جیتے جی صورت تری آئے نظر
مجھ کو یہ صورت نظر آتی نہیں

○

کِس کام کا سخن ہے جو حُسنِ بیاں نہیں
کس کام کا دہن ہے وہ جس میں زباں نہیں

○

نرگس، گلاب، موتیا، سُورج مُکھی، سمن
لُطفِ بہار سے ہمیں کیا کیا حسیں ملے

○

نہ دِن کو چین آتا ہے نہ شب کو نیند آتی ہے
محبت کر کے یارب پھنس گیا ہُوں کس مصیبت میں

○

زندگانی میں تو دشمن ہی جلاتے ہیں مجھے
مرگیا تو دوست آئیں گے جلانے کے لئے

پوچھا جب اُن سے تُم سا کہیں بھی حسیں نہیں
جھُنجھلا کے بولے "کہہ تو دیا ہے نہیں، نہیں"

○

اِس فکر و رنج و غم سے بھری زندگی کے دن
اے موت کیسے کاٹوں ترے انتظار میں

○

بدل سکتا نہیں ماحول خوش پوشوں کی فطرت کو
کنول کیچڑ میں بھی پوشاک اپنی صاف رکھتا ہے

○

نہ تو منصور نہ مجنوں ہوں نہ فرہاد جگر
لوگ کیوں پھرتے ہیں پیچھے مرے پتھر لے کر

○

تیر سے ہم جو بن گئے ہیں کماں
آسماں کی یہ کج ادائی ہے

○

تقلید کر سکا نہ وہ رفتارِ یار کی
طاؤس کیوں نہ روئے قدم اپنے دیکھ کر

مَیں کِس اُمّید پہ کچھ چرخِ کُہن سے مانگوں
بھیک کا کاسہ وہ خود آپ لئے پھرتا ہے

○

سُوکھی زباں کانٹوں کی دیکھی جو پیاس سے
چھالے ہمارے روئے وہیں پھُوٹ پھُوٹ کر

○

ترکِ مے کا یہ تو مطلب نہیں ہوتا اے شیخ!
گھر میں مہمان کو دو گھونٹ پلا بھی نہ سکوں

○

جو سِتم گر مرے دل پر کرے دن رات سِتم
کیا سِتم ہے کہ اُسے دِل سے بھُلا بھی نہ سکوں

○

تِری زُلف کا تذکرہ کیا کریں ہم
سُنے گا کوئی کیا یہ لمبی کہانی

○

یونہی روتی رہیں اگر آنکھیں
مجھ کو رونا رہے گا آنکھوں کا

بندوں کا یہ وجود خدا کی دلیل ہے
خورشید اگر نہیں ہے تو ذرّے کہاں سے آئے

○

تیری صورت دیکھ تو لینے دے پہلے قتل سے
دم نکلتا جا رہا ہے کیوں تری شمشیر کا

○

جگر وہ آئے ہیں آنکھوں میں اشک کیا معنی
جناب وقتِ سحر ہے چراغ گُل کر دو

○

جب رُخ سے ہٹانے کو کہا پردہ تو بولے
مُنہ سب کو دکھاؤں یہ تماشا تو نہیں ہے

○

دمِ آخر لباسِ یار میں اے موت اگر آئے
مِرا بھی کام ہو جائے تِرا بھی کام ہو جائے

○

سب ایک ایک کر کے مِلے تجھ سے بزم میں
مَیں شمع کی طرح تِرا مُنہ دیکھتا رہا

(بہ شکریہ آل انڈیا ریڈیو جالندھر)